

مثالی انسان

حضرت انس بن مالک بہت ذہین تھے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: "اے رسول اللہ، قیامت کے دن آپ کو کہاں پاؤں گا؟" یعنی کہ آپ اس دن میلان محشر میں کہاں موجود ہوں گے؟!

حضرت انس جانتے تھے، حالانکہ وہ منتخب صحابہ میں سے ایک تھے، کہ ان کے اعمال بے مقصد ہیں اگر وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں نہ ہوں، کیونکہ سوائے آپ کا راستہ کوئی بھی راستہ بند ہے۔ (اس کتاب میں اس کی وجہ کو جانیں گے)

شیخ محمود ربیع

قارہ میں اصول دین کی گارج سے حدیث اور اس کے علوم میں پچھل ڈگری، بہت اچھے ممبروں کے ساتھ احراز کے ساتھ حاصل کی۔

جامعہ انہر شریف سے حدیث اور اس کے علوم میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

قرآن کریم کی اجازت حفص کی روایت سے حاتم کے ذریعہ اعلیٰ اسناد کے ساتھ حاصل کی۔

(الصالح السنۃ) اور دیگر سنن کی کتابوں میں اجازات حاصل کیں۔

تصنیفات:

مثالی انسان

انہر شریف کی اعلیٰ علماء کی کمیٹی کے لیے پیش کردہ تحقیقی مقالہ: (سنت نبوی میں شکوک و شبہات کی تحریکیں)

220 صفحہ۔

سنت نبوی کی تحریر اور تدوین پر ایک مقالہ جلد شائع ہوگا۔

شیخ محمود ربیع

مثالی انسان



سلسلہ نورالحیین

مثالی انسان

شیخ محمود ربیع

ترجمہ: أسماء نکلیش



تعارف

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على حضرت سيدنا رسول الله محمد وعلى آله وصحبه اجمعين، أما بعد:

میں حیرت زدہ ہوں کہ قدیم اور جدید لوگوں نے حضرت نبی کریم محمد ﷺ کی شخصیت کو سمجھنے میں کس طرح کی الجھن کا سامنا کیا ہے، اور آپ ﷺ کی مثالیت کا سبب اور عظمت کا ماخذ کیا ہے۔ کچھ لوگ، جیسے کہ ابو جہل نے آپ ﷺ کی مثالیت کو پانے اور ان کے مقام تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے تھے تاکہ لوگوں کی تعریف اور تحسین حاصل کر سکیں، لیکن انہیں کوئی راستہ نہ ملا سوائے آپ ﷺ کے کہ اس منفرد شخصیت پر الزامات لگائیں۔ اور بعض لوگوں نے آپ ﷺ سے مایوس ہو کر دعویٰ کیا کہ یہ ایک خیالی شخصیت ہے جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں، کیونکہ ان جیسی مثالی صفات کی حامل شخصیت کا موجود ہونا ناممکن ہے۔ جبکہ دوسروں نے آپ ﷺ کے احترام اور تقدیر کے ساتھ سر جھکا دیا، اور آپ ﷺ کی انسانی مثالی شخصیت کی عظمت کا اعتراف کیا جس کی نہ کوئی نظیر تھی اور نہ ہو سکتی ہے۔

اس شخصیت اور اس انسانیت کا تجزیہ اب بھی ان کی سوچ کے ایک بڑے حصے پر محیط ہے، اس آئیڈیلزم کے ماخذ اور ان منفرد انسانی خوبیوں کی ابتدا کو جاننے کے لیے، ان میں سے کچھ نے جادو کی وجہ قرار دیا، کیونکہ جادوگر سچائی پر کامل نہیں ہوتا، بلکہ اپنے آس پاس کے لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، اور ان میں سے کچھ اسے

قسمت بتانے سے منسوب کرتے ہیں، کیونکہ پادری مستقبل کی پیش گوئی کرتا ہے تاکہ وہ ان حالات کے لئے تیاری کر سکے جن کا میں نے شمار کیا، اور ان میں سے کچھ نے اسے شاعری اور تخیل کی صلاحیت سے منسوب کیا، کیونکہ شاعری اس کی فطرت اور تخیل کی صلاحیت کو کمزور کرتی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ مزاج زمینی کردار نہیں ہیں، اور ان خصوصیات کی خصوصیت ایک ایسے شخص کی نہیں ہو سکتی جو اپنی ساری زندگی انسانوں کے ساتھ گزارتا ہے، ان پر اثر انداز ہوتا ہے اور ان سے متاثر ہوتا ہے، لیکن اس کا تعلق دوسری دنیاؤں سے ہونا چاہیے جو ان مزاجوں اور ان اخلاقیات کی وجہ تھے، جو لوگوں نے اپنی دنیا میں نہیں دیکھے اور اپنے آباؤ اجداد سے ان جیسے اخلاق کے بارے میں نہیں سنا۔

جرمن اسکالر (کارل ہینرش 1876ء تا 1933ء) ایک طویل تلاش کے بعد اسی مقام پر پہنچے، جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب "دی اوریئنٹلزم" میں لکھا ہے: "یہ کہنا غلط ہے کہ عربوں کا پیغمبر ایک منافق یا جادوگر ہے! چونکہ وہ ان کے بلند اصول کو نہیں سمجھتے تھے، اس لئے محمد تعریف کے مستحق ہیں، ان کے اصول پر عمل کیا جانا چاہئے، اور یہ ہمیں معلوم ہونے سے پہلے فیصلہ کرنا نہیں ہے، اور یہ کہ محمد سب سے بہترین انسان ہیں جو ہدایت اور کمال کے دین کے ساتھ دنیا میں آئے تھے"۔

میں نبی اکرم ﷺ کی شخصیت اور ان کی انسانیت کا ایک نمونہ پیش کرنا چاہوں گا کہ انسان ہونے کے لحاظ سے نہ جہاں سے وہ نبی اور رسول ہیں۔

میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ ہندوستانی پروفیسر (رام کرشن راؤ 1836-1886 ء) نے اپنی کتاب (محمد نبی) میں کہا ہے: "محمد، ﷺ، کی شخصیت کو اس کے تمام پہلوؤں سے جاننا ممکن نہیں ہے، لیکن میں صرف ان کی زندگی کے بارے میں خوبصورت تصویروں سے ایک مختصر بیان پیش کر سکتا ہوں، وہاں محمد نبی، محمد جنگجو، محمد سیاست دان، محمد خطیب ہیں، محمد اصلاح کرنے والے ہیں، محمد یتیموں کی پناہ اور غلاموں کے محافظ ہیں، محمد عورتوں کے آزاد کرنے والے ہیں، اور محمد قاضی ہیں۔ زندگی کے تمام شعبوں میں یہ تمام شاندار کردار انہیں ہیرو بننے کا اہل بناتے ہیں۔"

اس کتاب کا آغاز حضور ﷺ کے کردار اور اخلاق کے کچھ پہلوؤں سے ہوا جو تقدس مآب کی ولادت کے بعد سے ان میں موجود ہیں۔

میں نے اپنے آس پاس کے لوگوں کے ساتھ ان کے تعلقات کی تعریف کی، اور کس طرح وہ ان کے ساتھ سلوک کرتے تھے اور ان کو دیکھتے تھے۔

یہ تقدس مآب کی جانب سے نئے چیلنجوں اور مسائل سے نمٹنے کا تیسرا حصہ تھا۔

اس کا اختتام فرد اور معاشرے کی بھلائی کے لئے ان کے کچھ احکامات کے ساتھ ہوا۔

اللہ سے دعا ہے اور اپنے نبی ﷺ کے واسطے سے توسل کرتا ہوں کہ یہ علم مجھے اور ہر قارئ کو فائدہ دے، اور اسے اللہ تعالیٰ رضا کے لیے خالص بنا دے۔ اور یہ میرے لئے، میرے والدین اور میرے اہل خانہ کے لیے قیامت کے دن ذخیرہ بن جائے، اور ہمیں آگ سے بچانے کا ذریعہ بنائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب سے امید رکھنے والا، سب سے مہربان، اور دعا قبول کرنے کے لائق ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اب آئیے اس کتاب میں اپنی سفر کا آغاز کریں... تو اللہ کی مدد سے منزل تک پہنچنے کی کوشش کریں، اور اس کی محبت کے ساتھ اس کو پڑھنے کا ارادہ کریں۔

* * *

مقدمہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔ (البقرہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (وہی) ایک معبود ہے۔ تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے چاہیئے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے﴾ (الکہف: 110)

قرآن کریم نے نبی ﷺ کی انسانیت کو ایک مختلف جگہ پر زور دیا ہے اور یہاں تک کہ ہمارے آقا نبی ﷺ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ اس لیے جب میں بھول جایا کروں تو تم مجھے یاد دلایا کرو۔"¹

لیکن ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟

اس انسانیت کی تفہیم کفر اور ایمان کے درمیان ایک حد ہے، کچھ لوگوں کو اس کی صحیح تفہیم سے رہنمائی ملی ہے، اور کچھ لوگ ناقص فہم کی وجہ سے گمراہ ہو گئے ہیں۔

¹ صحیح البخاری، اس باب میں: التوجہ نحو القبلۃ (392)۔

آپ کو چاہیے کہ نبی ﷺ کی بشریت کے بارے میں ابو جہل، عتبہ بن ابی ربیعہ، اور دیگر کافروں کے سمجھنے میں فرق کریں، اور اس کے مقابلے میں سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، اور دیگر صحابہ کرام کے سمجھنے کو بھی ملاحظہ کریں۔

کافر اس کی ظاہری شکل پر کھڑے ہو گئے اور اس کی ظاہری شکل کو بھی غلط سمجھا، اللہ نے فرمایا: ﴿اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیوں نازل نہیں کیا گیا اس کے پاس کوئی فرشتہ اس کے ساتھ ہدایت کرنے کو رہتا﴾ (الفرقان: 7)، اور ان کا مطلب کھانے پینے سے نہیں ہے، بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پیچھے کیا ہے، بالکل اسی طرح جیسے اس کے پاس کھانے پینے کی خواہش رکھنے والی روح ہے، یہ روح اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے ظاہری شکل، وقار، بادشاہی، دولت اور یہاں تک کہ دھوکہ دہی چاہتی ہے!

انہوں نے اس روح کو اپنے خلاف ناپایمیاں تک کہ انہوں نے سوچا کہ ان میں سے کوئی بھی اس کام کے لئے لائق ہے جب تک کہ انسان (حضرت محمد ﷺ) اس کے لئے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟﴾ (الزخرف: 31). اور انہوں نے کہا، جیسا کہ صالح علیہ السلام کے لوگوں نے ان کے سامنے کہا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿کیا ہم سب میں سے اسی پر نصیحت (کی کتاب) اتری ہے؟﴾ (نہیں) بلکہ یہ میری نصیحت کی کتاب سے شک میں ہیں۔ بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا ﴿﴾ (ص: 8)؟ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ کو حل کیا جو ان کے درمیان تنازعہ کا موضوع تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔﴾ (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (وہی) ایک معبود ہے۔ تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے چاہیئے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے ﴿﴾ (الکہف: 110)، یعنی: "میں ظاہری طور پر آپ کی طرح ہوں، لیکن حقیقت میں میری انسانیت اس بات سے مخصوص ہے کہ میں میری طرف وحی آتی ہے اور میں الہی پیغام پہنچانے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے۔ اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ فکر کریں ﴿﴾﴾ (الحشر: 21)

﴿ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے ﴿﴾﴾ (المزل: 5)؟!

میرے اور تمہارے درمیان فرق یہ ہے کہ میں وحی کا مستحق ہوں، اور صرف وہی لوگ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿(وہ یہ تھا) کہ اسے (یعنی موسیٰ کو) صندوق میں رکھو پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دو تو دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا﴾ (اور) میرا اور اس کا دشمن اسے اٹھالے گا۔ اور (موسیٰ)

میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی ہے (اس لئے کہ تم پر مہربانی کی جائے) اور اس لئے کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ (طہ: 39)

صحابہ کرام نے اس خصوصیت کو خوب سمجھ لی تھی، اور وہ نبی کریم ﷺ کی ذات کو اس طرح سے لیتے تھے جیسے یہ ایک مخصوص ذات ہے، جس کی مخصوص صفات ہیں، اور آپ ﷺ اللہ کی طرف سے اس دنیا کے لیے ایک انعام ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی ذات سے وابستہ ہر چیز میں برکت تلاش کرتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے آپ ﷺ کے مبارک لعاب سے بھی برکت حاصل کی، جیسا کہ عروہ بن مسعود نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اہل مکہ سے کہا۔

انہوں نے یہ سب کچھ کیا تاکہ اپنی ذاتوں کو آپ ﷺ کی پاک ذات کے ذریعے پاک کریں؛ کیونکہ انہوں نے، رضی اللہ عنہم، یہ جان لیا کہ پوری زمین پاک ہو گئی جب اس پر آپ ﷺ کے پاؤں کی چھوٹ لگی۔ بلکہ وہ زمین دوسرے زمینوں کے لیے بھی پاک ہو گئی، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(میرے لیے تمام زمین میں نماز پڑھنے اور پاکی حاصل کرنے کی اجازت ہے)۔² متفق۔

² صحیح البخاری (438)، صحیح مسلم (521) جابر بن عبد اللہ الأنصاری سے روایت۔

جب بھی انہوں نے اس خصوصیت کی حدود سے غافل ہوئی یا بعض لوگوں نے اسے نہیں جانتے تھے، تو نبی کریم محمد ﷺ نے انہیں یاد دلاتے، اور انہیں اس معاملے میں رکنے کی ہدایت دیتے۔ آپ ﷺ نے انہیں یہ تعلیم دی کہ "میں بشر ہوں، لیکن عام بشروں کی طرح نہیں۔"

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں ہر اس حدیث کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا یاد رکھنے کے لیے لکھ لیتا، تو قریش کے لوگوں نے مجھے لکھنے سے منع کر دیا، اور کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر سنی ہوئی بات کو لکھ لیتے ہو؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، غصے اور خوشی دونوں حالتوں میں باتیں کرتے ہیں، تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: "لکھا کرو، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے حق بات کے سوا کچھ نہیں نکلتا" ³.

اور کیوں نہیں؟ یہ بشریت اس لیے تخلیق کی گئی کہ وہ رسالت کے بوجھ کو اٹھانے کے لائق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا برے کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔ اے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کیجیو۔ اے پروردگار ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے پروردگار جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھیو۔ اور (اے پروردگار) ہمارے گناہوں سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے۔ اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہم کو کافروں پر غالب فرما﴾ (البقرة: 286)

لہذا، ضروری ہے کہ اللہ اپنے نبی ﷺ کو اس نبوت کے لیے تیار کرے، اور اس رسالت کے لیے بھی تیار کرے، اس سے پہلے کہ وہ اس کے ابلاغ کی ذمہ داری سنبھالے۔

³ سنن ابی داؤد (3646)، مسند الامام احمد (6802).

نبی کریم ﷺ نے اس رسالت کو انسانوں اور جنوں کی تخلیق سے پہلے اٹھایا، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
 "میں نبی تھا جب کہ حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔" ⁴

چنانچہ، نبی ﷺ تمام کائنات کے لیے رسول تھے۔ اور آپ ﷺ دیگر رسولوں کے لیے بھی رسول ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا (خدا نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں ﴿﴾ (آل عمران: 81)

یہی بات نبی ﷺ نے بھی اپنی حدیث میں بیان کی، جہاں آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر حضرت موسیٰ بن عمران زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری پیروی کرنا ضروری ہوتا۔" ⁵

اس جامع عمومی پیغام کے لئے اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو اس کی انجام دہی کے لیے منتخب کیا ہے وہ فوائد کی بناء پر ممتاز تھے اور وہ صفات میں مہارت رکھتے تھے جن میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ صبر کرنے والا، وسیع ذہن رکھنے والا، تیز مزاج، نرم دل، لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے والا، ان سے محبت کرتا ہے اور اس سے محبت

⁴ مسند الامام احمد (20596)، العلل، الترمذی (683)، سنن الترمذی (3609)، تاریخ أصفہان، ابو نعیم 197/2.

⁵ مسند الامام احمد (15156) غریب الحديث، ابو عبیدہ ۲۸-۲۹، ابن أبي شيبة ۴۷/۹، السنن، ابن أبي عاصم (۵۰)، كشف الأستار، البزار (۱۳۴)، شعب الإيمان، البيهقي (۱۷۷)، شرح السنن، المغوي (۱۲۶)، جامع بيان العلم وفضله ۴۲/۲.

کرتا ہے، نیکی سے برا کو دور کرتا ہے، اپنے آپ پر غصہ نہیں کرتا، نقصان کو برداشت کرتا ہے، اور ہر ایک کے ساتھ اس کی حالت کے مطابق برتاؤ کر سکتا ہے، نقصان کو برداشت کرتا ہے۔

کسی کو بھی اس مثالی کردار پر حیرت نہیں ہونی چاہیے جس کے بارے میں ہم اس کتاب میں بات کریں گے، لیکن وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے اپنے بارے میں بات کرے گی۔

یہ شخصیت ہمیں ان ہزاروں مثالی مردوں کے اثر پر بھی بتائے گی، جو اس سے متاثر ہوئے، بلکہ یہ زمانے اور جگہ کے اثرات سے بھی متاثر نہیں ہوئی۔

یہ منفرد شخصیت تھی جس میں سب نے اپنی مثال دیکھی، چاہے وہ غریب ہو یا امیر، صحت مند ہو یا بیمار، ہر ایک کے لیے اس میں ایک مثال موجود تھی۔ اس کے باوجود، یہ کبھی بھی متضاد شخصیت نہیں رہی! بلکہ ہر حالت میں ایک مثال بن کر سامنے آئی۔

فرانسیسی مصنف اور مورخ (لامارتین) نے اپنی کتاب (تاریخ ترکی) میں لکھا:

"اگر ہم کسی عظیم انسان کی تلاش کریں جس میں تمام انسانی عظمت کی صفات موجود ہوں، تو ہمارے سامنے صرف محمد کامل شخصیت ہے۔"

باب اول: (محمدی شخصیت)

فصل اول: (ضروری اخلاقیات اور فطری خصوصیات)

ان میں سے ایک میں بہت سی مثالی خصوصیات ہو سکتی ہیں جیسے سچائی، امانت داری اور عاجزی ... لیکن مثال کے طور پر اس میں دیگر مثالی خصوصیات کا فقدان ہے، جیسے حلم اور سخاوت!

اور ان میں سے تمام مثالی صفات سے مزین ہو سکتے ہیں، لیکن ان صفات کمال تک نہیں پہنچ پاتے یا یہ صفات ان کے پورے زندگی کے ساتھ نہیں رہتیں!

ان میں سے کسی ایک میں ان خوبیوں کی خصوصیت ہو سکتی ہے اور وہ ان میں کمال کی سطح تک پہنچ سکتا ہے، اور یہ خود کی دیانت داری اور دیانت داری سے پیدا نہیں ہوتا ہے، بلکہ ایک بیرونی اثر و رسوخ کی وجہ سے ہوتا ہے جو اسے متاثر کرتا ہے جیسے نفاق اور صرف ان صفات سے حاصل ہونے والی چیزوں کا حصول!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت تمام مثالی صفات سے متصف ہے اور ان میں کمال حاصل کر چکی ہے؛ یہ ان کی خود کی سلامتی کی وجہ سے، نہ کہ کسی خارجی اثر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ صفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لازمی ہیں، نہ کہ ان کی شخصیت پر عارضی طور پر اثر انداز ہونے والی صفات، جو مختلف حالات کے مطابق بدلتی ہے۔ مثال کے طور پر، یہ بات واضح ہو جاتی ہے:

نبی کریم ﷺ بعثت سے پہلے اور اس کے بعد امانت دار تھے، ہر چیز میں امانت دار تھے: آپ ﷺ پیسے کی امانت بھی رکھتے تھے، اور قریش کے امانات کے مستودع تھے، حتیٰ کہ جب انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو جہراً قبول نہ کیا اور آپ ﷺ سے کفر کیا، بلکہ آپ ﷺ کے خلاف دشمنی اختیار کی، اور آپ ﷺ سے دھوکہ دیتے تھے، اور آپ ﷺ کی راہ میں دو صفیں بچھا دیں کہ آپ نکلیں تو ایک ہی ضرب سے آپ کو مار دیں؛ تاکہ انسانیت کو بہترین انسان کا خاتمہ دکھائی دے! قرآن مجید نے ان کے اس رویے کی ایک واضح تصویر کشی کی ہے جو ان کی خیانت

کے فعل کو مکر کے درجے میں لے جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور (اے محمد ﷺ) اس وقت کو یاد کرو) جب کافر لوگ تمہارے بارے میں چال چل رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا جان سے مار ڈالیں یا (وطن سے) نکال دیں تو (ادھر تو) وہ چال چل رہے تھے اور (ادھر) خدا چال چل رہا تھا۔ اور خدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے ﴿﴾ (الأنفال: 30)

ایسے حالات میں دوسرے فریق کے دفاع کرنے کو خیانت نہیں سمجھا جاتا، بلکہ یہ آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت۔

ایسے حالات میں، جو شخص ظلم اور خیانت کا شکار ہوتا ہے، وہ صرف ظالموں کے لیے منصفانہ سزا کا مطالبہ کرتا ہے، اگرچہ بعض اوقات اس کی خواہش یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ظالموں کو ذلیل کرنے کا طریقہ بھی تلاش کرے!

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت صرف مواقع کے لحاظ سے نہیں تھی، نہ ہی یہ جذبات کی تحریک سے متاثر ہوتی تھی، بلکہ یہ آپ ﷺ کی فطری صفت تھی۔ آپ ﷺ نے امانتوں کو واپس کرنے کے لیے مخصوص افراد کا تعین کیا جو ان کی امانتیں واپس کریں، اور میں یہ کہنے میں مبالغہ نہیں کروں گا کہ آپ ﷺ نے انہیں اس طرح محفوظ رکھا کہ جب انہیں طلب کیا جائے یا ان کی ادائیگی کا وقت آئے تو انہیں لوٹا دیا جائے۔

اور نبی ﷺ نے اس مشن کے لیے اپنے اہل بیت میں سے ایک شخص کا انتخاب کیا، جو صرف اپنے صحابہ میں سے ہوتے تھے، بلکہ وہ سیدنا امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ جیسے کہ یہ ایک پیغام تھا کہ یہ معاملہ سب سے پہلے ذاتی تھا۔ میں امانت دار ہوں، چاہے مجھے وحی کی جانب سے امانت داری کا حکم نہ بھی دیا گیا ہو، لیکن اس کا بوجھ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص اٹھائے گا، نہ کہ صرف میری شریعت کے پیروکاروں میں سے ہیں۔

یہ امانتیں صرف مالی چیزیں نہیں تھیں، بلکہ یہ بھی قرشیوں کے راز تھے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس محفوظ کیے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان امانتوں کے لیے ایک مضبوط اور طاقتور شخص کا انتخاب کیا، جو انہیں خطرات سے محفوظ رکھ سکے۔

چنانچہ قرشیوں نے آپ ﷺ سے دشمنی رکھی، تو ان کے رازوں کا امانت دار بن گئے۔ اور قرشیوں کی دشمنی کے باوجود، آپ ﷺ ان کے رازوں کو افشا نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی رازوں کی امانت انہیں سونپی، اور ان کے دلوں یہ کہتے تھے⁶:

نہ کوئی راز چھپاتا ہے، مگر ہر خطرے میں مبتلا شخص۔

اور اچھے لوگوں کے درمیان راز چھپے رہتے ہیں۔

اور تیرے راز ایک گھر میں ہیں

جس کی چابی کھو گئی ہے اور دروازہ بند ہے۔

نبی ﷺ بھی اعراض کے امین تھے، اور ان کے دشمنوں کی گواہی اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ انہوں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی اور نہ ہی کسی کے بارے میں بے جا بات کی۔ انہوں نے اعراض کا ہتک کسی کی غلطی کا بدلہ لینے کا ذریعہ نہیں بننے۔ ابو سفیان بن حرب نے اس بات کی گواہی دی جب وہ ہرقل بادشاہ روم کے سامنے تھے۔ جب انہیں یہ خبر ملی کہ نبی ﷺ نے ان کی بیٹی ام حبیبہ سے شادی کی ہے۔

ام حبیبہ بنت ابو سفیان نے اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ ہجرت کی۔ لیکن ان کے شوہر نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اور وہاں نصرانی کے طور پر فوت ہو گئے، جس کی وجہ سے وہ اکیلی رہ گئیں، بغیر شوہر

⁶ شاعری از: المحاسن والأضداد للمجاظ، باب: محاسن کتمان السر 27.

یا خاندان کے، اور اپنے اہل خانہ کے پاس واپس جانے سے بھی محروم رہ گئیں، جنہیں انہوں نے اپنے دین کی خاطر چھوڑا تھا۔ وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئیں جہاں ان کے پاس دو بُرے آپشن تھے: یا تو سختیوں اور تنہائی میں رہیں، یا پھر ذلت کے عذاب میں واپس جائیں۔

جب نبی ﷺ کو ام حبیبہ کی حالت کا علم ہوا تو انہوں نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ خود ان سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تاکہ انہیں اس حقیقی مشکل سے نکالا جاسکے۔ نبی ﷺ نے ایک وکیل کو مقرر کیا کہ وہ ان کا نکاح کر دے، تاکہ جب وہ مدینہ واپس آئیں تو ان کے پاس محفوظ راستہ ہو۔ اس وقت تک جب مسلمان وہاں سے واپس آنے کا ارادہ کرتے، وہ اپنے وطن حجاز کی طرف لوٹنے کے لیے بے تاب تھے۔

جب ابو سفیان بن حرب، جو اس وقت مشرکوں کے سردار تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، نے اس نکاح کا سنا تو انہوں نے ایک ایسا جملہ کہا جو تاریخ میں محفوظ ہو گیا۔ انہوں نے کہا: "یہ ایک بہترین آدمی ہے جس پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی جاسکتی!"۔ یعنی یہ ایک بہترین محافظ ہے جو اعراض کی حفاظت کرتا ہے؛ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ نبی ﷺ کی امانتداری ان کی شخصیت کی ایک لازمی صفت ہے، جو کہ نہ نبوت سے اور نہ ہی کسی رسالت سے حاصل ہوئی۔ حالانکہ ابو سفیان اس وقت نبوت اور رسالت کی تکذیب کر رہے تھے۔⁷

نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی جانوں کے بھی محافظ تھے، کبھی بھی اس شخص سے غداری نہیں کرتے تھے جو ان سے پناہ طلب کرتا، اور نہ ہی کبھی کسی کی امید کو ٹوٹنے دیتے۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں شرکت کی جو نجران کی طرف تھا۔ جب وہ واپس لوٹے تو ایک گھنے درختوں والے وادی میں قیلوہ (دوپہر کا آرام) کرنے کے لیے رکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اترنے کا فیصلہ کیا اور لوگ درختوں کے سائے میں بکھر گئے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سمرہ کے نیچے بیٹھ گئے اور وہاں اپنا تلوار لٹکا دیا۔

⁷ تفسیر القرطبی = الجامع لأحكام القرآن 44/9، اور العقد الفرید 96.

پھر ہم سو گئے، جب ہم جاگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بلا رہے تھے، اور ان کے ساتھ ایک بدوی (عرب کا دیہاتی) تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس نے میرے تلوار کو کھینچا جبکہ میں سو رہا تھا۔ میں نے جاگتے ہی دیکھا کہ یہ اس کے ہاتھ میں ہے، اس نے کہا: 'تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟' میں نے جواب دیا: 'اللہ!' - یہ میں نے تین بار کہا - اور پھر اس نے مجھے کوئی سزا نہیں دی، اور بیٹھ گیا۔"⁸

پس اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ طلب کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پناہ دی، اور بدلے میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ اس کی جان کا بھی تحفظ کیا۔

کسی کا کہنا ہو سکتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم امانت کے وصف میں کمال تک پہنچے اور ہر ایسی صورت حال میں مثالی سلوک کیا جس میں ان کی امانت کی آزمائش کی گئی، تو پھر انہیں "السموئل" کی مثال کے طور پر کیوں نہیں پیش کیا گیا، جو امانت اور وعدے کی وفا کے لیے مشہور ہیں؟

السموئل ایک یہودی تھا، جس کی مثال امانت اور وفا کے لیے دی جاتی ہے۔ اس کی کہانی یہ ہے کہ ایک شخص نے اس سے زرہیں (دھاتی لباس) امانت رکھی، اور جب ان کے مالک آئے تو السموئل نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ان کی امانت تھی۔

اس کے بعد انہوں نے اس کا بیٹا پکڑ لیا اور کہا: "یا تو ہمیں اپنی زرہیں واپس کر دو، یا ہم تمہارے بیٹے کو تمہارے سامنے ذبح کر دیں گے۔" تو السموئل نے اپنے بیٹے کی قربانی دینے پر رضا مندی ظاہر کی تاکہ وہ ان کی زرہیں واپس نہ دے۔ اس کا بیٹا اس کے سامنے ذبح کر دیا گیا!

یہ حقیقت میں ایک قسم کا ذہنی عدم توازن اور حقوق اور ذمہ داریوں کے درمیان عدم توازن ہے۔ اگرچہ اس نے ایک حق ادا کیا، لیکن اس نے کچھ حقوق کو نظر انداز کیا۔ اگرچہ اس نے مخلوق کی امانت ادا کی، لیکن اس نے خالق کی امانت میں کمی کی۔ اور ہم کسی صورت میں اس عمل کو نیک اعمال کی صف میں شامل نہیں کر سکتے جن کے لیے شخص کو سراہا جاتا ہے۔ اچھے کام میں افراط بھی ایسا ہی ہے جیسے کہ تفریط۔ اور سیدنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں خوبصورتی یہ ہے کہ وہ ایک صفت میں کمال کو پہنچتے ہیں بغیر دوسری صفات میں کمی کے۔

سر میور اپنی کتاب (تاریخ محمد) میں کہتے ہیں: "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کے پیغمبر ہیں، جنہیں بچپن سے ہی اپنے ملک کے لوگوں کے اتفاق رائے سے الامین کا لقب دیا گیا تھا۔ اور اگرچہ کوئی بھی بات ہو، محمد کی عظمت ان الفاظ سے بڑھ کر ہے جو ان کی توصیف میں کسے جائیں۔ انہیں وہی جانتا ہے جو ان کی تاریخ میں غور و فکر کرتا ہے، وہ تاریخ جو محمد کو رسولوں کی صف میں ممتاز اور دنیا کے مفکرین میں شامل کرتی ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم عفو و درگزر، غلطیوں کو معاف کرنے، اور ان لوگوں سے درگزر کرنے میں ایک مثال تھے جنہوں نے ان کے حق میں غلطی کی۔ یہ صفت ان کے دل کی پاکیزگی سے ماخوذ تھی، نہ کہ لوگوں کی رحم دلی سے۔ اس کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ جب فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے لوگوں کے بارے میں اپنا فیصلہ سنایا۔ انہوں نے ان کی رحم دلی کا انتظار نہیں کیا کہ وہ ان سے معافی مانگیں، بلکہ انہوں نے مدینہ سے روانہ ہونے سے پہلے ہی ان کے لیے عفو کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بے گناہوں کے قتل سے منع کیا اور فرمایا کہ ان سے جنگ نہ کی جائے جو پہلے ان سے جنگ نہیں کرتے تھے۔ جب وہ مکہ کے قریب پہنچے، تو بعض صحابہ کے دلوں میں ان لوگوں کے خلاف سختی پیدا ہوئی جنہوں نے انہیں ایذا دی اور ان کے وطن سے نکال دیا تھا!

چنانچہ ان میں سے بعض لوگوں کی طرف سے ایک بات نکلی جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ حاصل کی اور ان کی جانب سے ایک مضبوط رد عمل کا مطالبہ کیا۔ سینا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، جو علمبردار تھے، نے کہا: "آج کا دن قتل عام کا دن ہے!" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس ایک شخص بھیجا جو ان سے پرچم لے لے اور کہا: "بلکہ آج کا دن رحمت کا دن ہے" اور انہوں نے پرچم کسی اور کو دے دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معافی کے ساتھ ان کی توبہ نہیں کی، بلکہ اپنی عادت کے مطابق ان کی دلجوئی کی اور ان کی حیثیت کو تسلیم کیا، کیونکہ وہ عرب کے سردار تھے۔ انہوں نے ان کے سردار کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا: "جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا، وہ محفوظ ہوگا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ "آپ لوگوں کا مجھ سے کیا خیال ہے؟" کا مقصد ان کی توبہ نہ کرنا نہیں تھا، بلکہ یہ انہیں خود سے محاسبہ کرنے کے لیے کہنے کی کوشش تھی۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتے تھے: "جب آپ جانتے ہیں کہ میں نیک ہوں اور نیکوں کا بیٹا ہوں، تو پھر آپ نے میری توبہ نہ کیوں کی اور مجھے کیوں جھوٹا قرار دیا؟"

ایک شاعر نے کہا⁹:

جب میں تمہارے پچھلے احسانات کو یاد کرتا ہوں

اپنی بُرائیوں اور غلطیوں کے ساتھ اور جو کچھ میں نے کیا ہے،

تو میں تقریباً اپنی جان لے لیتا ہوں، پھر مجھے یہ علم ہوتا ہے

کہ تم تو کرم پر مبنی ہو، جیسا کہ تمہاری فطرت ہے۔

9 امیر سید الملک آبی الحسن علی بن مقلد بن مقلد جدّ أسامة بن مَرْثِدَة - خريدة القصر 2/357، اور الدر الفريد (1349) 2/425، اور المستطرف 202.

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے حق میں بھی معاف کرنے والے تھے، کیونکہ انہوں نے ان کافروں کے لئے دعا کی جو انہیں مارا پیٹا اور ان کا چہرہ زخمی کیا، اور فرمایا: اے اللہ میری قوم کو معاف کرو کیونکہ وہ نہیں سمجھتے¹⁰، اور جب کسی دوسرے کے حق پر زیادتی ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک آرام نہیں کرتے تھے جب تک کہ مظلوم کے حق کی بحالی نہ کر دیں اور ظالم سے ظلم کا بدلہ نہ لے لیں۔ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے ایک شخص سے بدسلوکی کی اور اس کی ماں کا عیب نکالا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "اے اباذر! میں نے اسے اس کی ماں کو قرض دیا تھا؟! اور جس کے ہاتھ میں اس کا بھائی ہو تو وہ اسے جو کچھ کھاتا ہے اس میں سے کھانا کھلائے اور جو کچھ وہ پہنتا ہے اس سے اس کو کپڑے پہنائے اور ان کی قیمت ادا نہ کرو اور اگر تم ان کی قیمت ادا کرو تو ان کی مدد کرو"¹¹۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت نرم مزاج اور نرم دل تھے، ہر معاملے میں آسانی اور سہولت کو پسند کرتے تھے۔ کلمہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اے پیغمبر کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں﴾ (ص: 86)، اور آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں میں سے انتخاب کرنے کا موقع دیا جاتا تو آپ ہمیشہ آسان چیز کو چن لیتے تھے)¹²۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ کسی پر تکبر کرتے تھے اور نہ ہی کسی کو کم تر سمجھتے تھے۔ آپ مہمانوں کے لیے اپنا چادر بچھاتے تھے اور فرماتے: "لوگوں کو ان کے مقام پر بٹھاؤ"¹³۔

10 صحیح البخاری (3290)، صحیح مسلم (1792)۔

11 صحیح البخاری (30)، صحیح مسلم (1661)۔

12 صحیح البخاری (274)، صحیح مسلم (2327) اور مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان ہی کو پسند کیا، بشرطیکہ اس میں گناہ کا کوئی پہلو نہ ہو، اگر اس میں گناہ کا کوئی پہلو ہوتا تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے۔ اللہ کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے ذاتی معاملہ میں کسی سے بدلہ نہیں لیا، البتہ جب اللہ کی حرمات کو توڑا جاتا تو آپ اللہ کے لیے بدلہ لیتے تھے۔

13 سنن ابی داؤد (4842)۔

آپ لوگوں کو قریب کرتے تھے، حالانکہ آپ کی بیبت بعض لوگوں کو دور کر دیتی تھی۔ جب ایک عورت آپ کی موجودگی میں خوف سے لرز رہی تھی، تو آپ نے فرمایا: "غریب عورت، تمہیں سکون ملتا ہے" ¹⁴ اور جب کوئی شخص آپ کی موجودگی میں خوفزدہ ہوتا، تو آپ کہتے: "تم پر آسانی سے چلو، کیونکہ میں بادشاہ نہیں ہوں، بلکہ میں اس عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔" ¹⁵

آپ چھوٹوں اور بڑوں سے مذاق کرتے تھے اور کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ لوگوں نے آپ کی زندگی میں جھوٹ کا کوئی واقعہ نہیں پایا، یہاں تک کہ قریش کے کافر بھی آپ کی نبوت میں جھوٹ کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ہم کو معلوم ہے کہ ان (کافروں) کی باتیں تمہیں رنج پہنچاتی ہیں (مگر) یہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں﴾ (الأنعام: 33)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب جنگ کی شدت بڑھ جاتی تھی، تو ہم رسول اللہ کے پیچھے پناہ لیتے تھے، اور وہ ہمارے نزدیک دشمن کے سب سے قریب ہوتے تھے" ¹⁶۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفاق کے بغیر لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھا، لہذا آپ نے ان لوگوں کو دیا جو غربت سے نہیں ڈرتے تھے، تاکہ وہ سائل سے کہیں: "میرے پاس آپ کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے، لیکن مجھ سے خریدو۔ یعنی: میرے خرچ پر خریدو۔ اور اگر میرے پاس کچھ آتا ہے تو میں اسے خرچ کروں گا" ¹⁷۔

14 الطبرانی 446/25 اور حیشی 12/6 میں کہتے ہیں: اس کے آدمی قابل اعتماد ہیں۔ ابن سعد نے بھی اس کی بدلت کی ہے۔

15 سنن ابن ماجہ (3312) میں ابو مسعود اور قید سے رولیت کیا ہے کہ نکین گوشت دھوپ میں خشک ہوتا ہے۔

16 مسند ابن الجعد (2561)، مسند الامام احمد (1042)، مسند ابی یعلیٰ (302)۔

17 الشائل، التریڈی (355)، مکرم الأخلاق، ابن ابی الدنیا (390) میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے رولیت کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان سے پوچھنے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس خریدنے کے سوا کچھ نہیں ہے اور اگر میرے پاس کوئی چیز آئے تو میں اسے خرچ کر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ پر غور کیا اور انصار میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول، خرچ کرو اور عرش سے نہ ڈرو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور انصاری کے الفاظ سے انسانوں کو جانتے تھے اور پھر فرمایا: یہ وہی ہے جس کا مجھ کو حکم دیا تھا۔

اے وہ شخص جس پر اللہ نے سخاوت کی روح پھونکی ہے،

کیونکہ اس سے بہتر کوئی اور نہیں ہے سوا دینے اور سخاوت کرنے کے۔

آپ کی عطائیں زمین پر سب لوگوں میں پھیل گئی ہیں،

پس آپ اور سخاوت، دونوں ایک ہی لکڑی سے بنے ہوئے ہیں۔¹⁸

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسن سلوک والے تھے، سب لوگ آپ سے محبت کرتے تھے۔ آپ رحم دل اور شفقت کرنے والے تھے، آپ نے فرمایا: "نرمی کسی چیز میں داخل نہیں ہوتی مگر اسے خوبصورت بنا دیتی ہے، اور نہ ہی کسی چیز سے نکالی جاتی ہے مگر اسے بگاڑ دیتی ہے۔"¹⁹ اور آپ نے فرمایا: "جو شخص نرمی سے محروم ہے، وہ تمام بھلائی سے بھی محروم ہے۔"²⁰

آپ کی شفقت اور نرمی کا یہ حال تھا کہ جب ایک بدو مسجد میں پیشاب کر رہا تھا تو آپ نے لوگوں کو اسے روکنے سے منع کیا۔ یہ حدیث بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے، انہوں نے کہا: "ایک بدو مسجد میں پیشاب کر رہا تھا، تو لوگوں نے اسے روکا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اسے چھوڑ دو، اور اس کے پیشاب پر پانی بہا دو، یا ایک ٹولہ پانی بہا دو۔ بے شک، تم آسانی کے لیے بھیجے گئے ہو، نہ کہ دشواری کے لیے۔'²¹ ایک اور روایت میں ہے کہ جب اس بدو نے اپنا پیشاب ختم کیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا: اے اللہ مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم

18 ابو وجزہ السلمی کی شاعری، المحاسن والاضداد 29، المستطرف 86۔

19 الأدب المفرد، البخاری (469/365)، 179، صحیح مسلم (2594) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت۔

20 مصنف ابن ابی شیبہ (25303)، سنن ابی داؤد (4809)۔

21 صحیح البخاری (217)۔

نہ فرما۔²² اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی رحم کرنے والا نہیں پایا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں آسانی کو پسند کرتے تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں کے درمیان انتخاب کرنے کا موقع ملتا، تو آپ ہمیشہ آسان ترین کو منتخب کرتے، جب تک کہ وہ گناہ نہ ہو۔"²³

اور وہ بعض اعمال کی فضیلت کا ذکر کرتے تھے، لیکن انہیں لوگوں پر فرض نہیں کرتے تھے تاکہ ان پر مشکل نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: "اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ میری امت پر مشکل بن جائے گا، تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔"²⁴ اور آپ نے کہا: "اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ میری امت پر مشکل بن جائے گا، تو میں انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔"²⁵، اور آپ نے فرمایا: "اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ میری امت پر مشکل بن جائے گا، تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز کو رات کے ایک تہائی یا نصف حصے تک مؤخر کریں۔"²⁶

عظیم مصنف (میکس وان برشم) اپنی کتاب (ایشیا میں عربوں) کے تعارف میں کہتے ہیں: "حقیقت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کا فخر ہیں، جو مکمل رحمت کے ساتھ آئے تھے، لہذا ان کی بعثت کا عنوان ہے: ﴿اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام جہان کے لئے رحمت (بنا کر) بھیجا ہے﴾ (الأنبياء: 107)

* * *

22 صحیح البخاری (5664) عن أبي هريرة.

23 صحیح البخاری (274)، صحیح مسلم (2327) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت۔

24 سنن الترمذی (22)، مصنف عبد الرزاق (5746)، مصنف ابن ابی شیبہ (1802)، مسند الامام احمد (607).

25 مصنف عبد الرزاق (2106)، مصنف ابن ابی شیبہ (1787)، مسند الامام احمد (7412).

26 سنن الترمذی (167) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔

فصل دوم (جذباتی استحکام)

اس عنوان سے میرا مطلب یہ ہے انسانی تجربات میں مختلف حالات کے رد عمل کا تجزیہ کیا جائے، جیسے کہ وہ مواقع جو تشویش، غم، یا خوشی پیدا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات سے کسی بھی انسان کی طرح گزرے، لیکن انہوں نے ان کے ساتھ دوسرے انسانوں کی طرح سلوک نہیں کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رد عمل میں نہ تو وہ افراط تھی جو کہ بعض اوقات مسامحت، عفو، اور تواضع کی صفات کو غلط جگہوں پر لاگو کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، اور نہ ہی وہ شدت تھی جو کہ غیر موزوں حالات میں دیکھی جا سکتی ہے۔

انسان اپنے ارد گرد کی ہر چیز اور ہر صورت حال سے دوچار ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے تو جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تم کو دیئے ہیں ان میں وہ تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے سو نیک کاموں میں جلدی کرو تم سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر جن باتوں میں تم کو اختلاف تھا وہ تم کو بتا دے گا ﴿۱﴾ (المائدہ: 48)، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں مختلف مواقع پر آزمایا ہے اور ہمیں اپنی طاقت، صبر، اور تحمل کے مطابق جوابدہ بنایا جائے گا۔ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے ارد گرد کے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کریں، خاص طور پر والدین، شریک حیات، اور دوستوں کے ساتھ۔۔

کیا اللہ کی طرف تمہاری قربت میں اضافہ کروں گا یا اس سے تمہارا فاصلہ بڑھ جائے گا؟ کیا معاشرے میں تمہاری راستبازی میں اضافہ کروں گا یا اس کے خلاف تمہاری بغاوت میں اضافہ کروں گا؟

اگر تم اللہ کے قریب ہوتے ہو اور اپنے اعمال میں بہتری لاتے ہیں تو تم ایک متوازن اور صحت مند انسان بن سکتے ہو۔ لیکن اگر تم دنیاوی چیزوں یا منفی اثرات کے زیر اثر آ جاتے ہو تو تم ایک غیر مستحکم حالت میں جا سکتے ہو، اور معاشرے تمہاری قیادت کے مالک بنتے ہیں۔

یہ معاملہ صرف اس منظر یا اس حالت پر نہیں رکتا جس سے آپ گزر رہے ہیں، بلکہ یہ آپ کی زندگی کی تسلسل اور آپ کی صفات کی تکمیل پر اس منظر کے اثرات تک بھی پہنچتا ہے!

حقیقی طور پر طاقتور آدمی وہ ہے جو صورتحال پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس سے متاثر نہیں ہوتا ہے، جو اس کے حق میں کہا جاتا ہے: اس کی موجودگی کے بغیر، یہ صورتحال اچھا نہیں ہوتا۔

انسان صحیح وہ ہے جو کسی بھی موقع پر کسی کے لیے بوجھ نہیں بنتا، نہ ہی کسی غمزدہ کی غم کو بڑھاتا ہے۔

جب ہم تاریخ اور سوانح حیات کی کتابوں میں پڑھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رد عمل میں کامل تھا، وہ ایک دن صورتحال کو مزید بھڑکا نہیں سکتی تھی، اور وہ قول یا عمل سے کسی کو نقصان پہنچانے کا سبب نہیں تھی، اور مثال کے طور پر مضمون واضح ہے:

خوشی کے حالات میں، ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خوشیوں میں اس قدر حد سے تجاوز نہیں کیا کہ وہ اس حالت کو کسی لمحے میں ذہنی اور اعصابی بیماریوں میں بدل دے۔ بلکہ، وہ دنوں کے نشیب و فراز کے لیے ایک وسیع جگہ چھوڑتا تھا، اور اچانک ہونے والی تبدیلیوں کو برداشت کرتا تھا۔ دنیا کی فطرت اور اس کی حالتوں میں تبدیلی کا علم اس کے ذہنی استحکام کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں ہوتا ہے: «اگر تم جانتے کہ میں کیا جانتا ہوں تو تم تھوڑی ہنستے اور بہت روتے۔»²⁷

اور خوشی نے کبھی بھی اسے وقار کی حد سے باہر نہیں نکالا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر اس کی علامات ظاہر ہوتیں، جو غور کرنے والوں کے لیے واضح تھیں۔ حضرت کعب بن مالک — رضی اللہ عنہ — فرماتے ہیں: «جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تو ان کا چہرہ چمک اٹھتا، جیسے کہ وہ چاند کی ایک ٹکڑی ہوں، اور ہم اس کو ان میں پہچان لیتے تھے»۔²⁸

اور کبھی کبھار اپنی خوشی کا اظہار الفاظ کے ذریعے کرتے تھے تاکہ لوگوں کے دلوں کو خوش کیا جاسکے، جیسے کہ جب ان کی خیر سے واپسی پر ان کے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب — رضی اللہ عنہ — کا آنا ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے نہیں معلوم کہ میں خیر کی فتح یا جعفر کے آنے پر زیادہ خوش ہوں"۔²⁹

اسی طرح، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی کسی محزون کے سامنے خوشی کا اظہار نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ لوگوں کی خوشی پر خوش ہوتے اور ان کے غم پر غمگین ہوتے

اسی طرح، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سوا کسی سے شکایت نہیں کرتے تھے، اور یہ شاعر کا قول جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہی کہا گیا ہے:³⁰

اے پوچھنے والے، جو میرے بارے میں نیا ہے

میری حالت نہ تو کم ہوئی ہے اور نہ بڑھی ہے

اور جیسا کہ تم جانتے ہو، میں ایک آدمی ہوں

جو ختم ہو گیا، اور میں کسی سے شکایت نہیں کرتا۔

28 صحیح البخاری (3363) میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت۔

29 مصنف ابن ابی شیبہ (34380)، المستدرک علی الصحیحین، الحاکم (4293) میں جابر بن عبد اللہ سے روایت۔

30 یہ شاعری ہماء الدین زہیر سے منسوب ہیں 69 -

تو یہ صفت مکمل مردوں کی صفات میں سے ہے، اور اس سے بھی زیادہ کامل یہ ہے کہ وہ اپنے دل کے غم کو اپنے چہرے پر ظاہر نہ ہونے دے۔ یہی حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، کیونکہ آپ ہمیشہ خوش مزاج، خوش رو، اور مسکراتے رہتے تھے۔ جیسے کہ سیدنا جریر بن عبداللہ البجلی کہتے ہیں: «مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی پردہ نہیں ملا، جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، اور جب بھی مجھے دیکھا تو ہمیشہ مسکرائے ہیں۔»³¹ اور اس کے باوجود، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل میں غم چھپائے رکھتے تھے، سوائے اس کے کہ جب آنکھیں غالب آجائیں۔ دل کی کیفیت کی سب سے بڑی دلیل آنکھیں ہوتی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں حیران ہوتے تھے، کیونکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف خوشی اور مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا تھا!

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ان کی ایک بیٹی نے انہیں بلایا اور خبر دی کہ اس کا بیٹا فوت ہونے والا ہے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بھیجے ہوئے پیغمبر سے فرمایا: "اس کے پاس واپس جا کر اسے بتاؤ کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ لیا گیا ہے وہ اسی کا ہے، اور جو کچھ دیا گیا ہے وہ بھی اسی کا ہے، اور ہر چیز کا ایک مقررہ وقت ہے۔ اسے کہو کہ صبر کرے اور اللہ سے اجر کی امید رکھے۔"

جب پیغمبر واپس آیا تو اس نے کہا: "وہ قسم کھا چکی ہے کہ وہ ضرور آپ کے پاس آئے گی!" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، اور سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبل بھی ان کے ساتھ اٹھے، اور میں بھی ان کے ساتھ چلا۔ جب بچے کو ان کے سامنے لایا گیا تو وہ اس حال میں تھا جیسے کہ اس کی روح نکل رہی ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بھر آئیں۔ سعد نے کہا: "یہ کیا ہے، اے اللہ کے رسول؟!" - وہ نبی کی آنکھوں سے آنسو بہنے پر حیران تھے، کیونکہ انہوں نے اس حالت میں کبھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ رحمت ہے، جسے اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے، اور اللہ صرف ان بندوں پر رحم کرتا ہے جو رحم کرنے والے ہیں"۔³²

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ان کے غموں میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے تھے، لیکن پھر بھی ان کے غموں میں شامل ہوتے تھے! وہ ان کی خوشیوں میں مسکراتے اور ان کے غموں میں روتے تھے! وہ ان کی روایات اور ثقافتوں، اور ان کے غم و خوشی کے طریقوں میں شامل ہوتے تھے!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک انصاری خاتون کا ایک انصاری مرد کے ساتھ نکاح کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ! کیا تمہارے پاس کوئی تفریح تھی؟ کیونکہ انصاروں کو تفریح پسند ہے۔"³³ مطلب ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے چاہتے ہیں کہ وہ اپنے خیالات کو مکہ سے مدینہ منتقل کریں جیسا کہ وہ اپنے جسم کے ساتھ منتقل ہوئی ہیں، اور اس معاشرے میں خود کو کرلیں، لوگوں کے سامنے ایسی باتیں نہ لائیں جو انہیں حیرت میں ڈالیں یا انکار کریں، اور ان کے درمیان ایسے رہیں جیسے وہ خود ان میں سے ہوں۔ اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے پیغامات ہیں جنہوں نے اسلام کو خاص لباس یا خاص معاشرت میں محدود کر دیا ہے، کاش وہ اس بات کو سمجھ سکیں!

اور انصار کے پاس مدینہ میں ایک خاص ثقافتی ورثہ تھا جس میں اشعار اور کہانیاں شامل تھیں جو وہ اپنی تعطیلات میں سناتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی روایات سننے سے منع نہیں کیا، یہاں تک کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مواقع پر بھی۔ بلکہ، آپ انہیں سنتے تھے اور کبھی کبھار ان کے ساتھ اس میں شامل بھی ہوتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس داخل ہوئے جبکہ میرے پاس دو لڑکیاں 'بُعَاث' کا گیت گارہی تھیں۔ آپ بستر پر لیٹ گئے اور اپنا چہرہ پھیر لیا۔ پھر ابوبکر

32 صحیح البخاری (1224)، صحیح مسلم (923) میں اسامہ بن زید سے روایت۔

33 صحیح البخاری (4867)۔

رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور کہا: 'نبی کے پاس شیطان کی بانسری!' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'انہیں چھوڑ دو۔' جب آپ سونے ہوئے تو میں نے انہیں اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئیں۔³⁴

اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان علاقوں کا لباس پہنتے تھے جہاں آپ جا رہے ہوتے تھے تاکہ وہاں کے لوگ آپ کو غیر معمولی نہ سمجھیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے رومی لباس پہنے ہوئے تھے جس کے بازو تنگ تھے، تاکہ آپ رومیوں کے ساتھ ملاقات کر سکیں۔

یہ کسی جنگی فربہ کے طور پر نہیں تھا، جیسا کہ ناپولین بونا پارٹ نے مصر پر فرانسیسی حملے کے دوران کیا تھا! اور نہ ہی یہ وہ باتیں ہیں جو ادولف ہٹلر، جرمن رہنما، نے دوسری جنگ عظیم کے دوران مصریوں کی محبت کے بارے میں پھیلائی تھیں! کچھ ہمدردوں نے یہ بھی کہا کہ وہ مسلمان ہیں اور ان کا نام (محمد ہٹلر) ہے!!

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ہے کہ شہر کے رہائشیوں کو یہ یقین دلایا جائے کہ حالات نہیں بدلیں گے اور وہ اپنے وطن میں غریب محسوس نہیں کریں گے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہی واقعہ درحقیقت پیش آیا۔ اس کے برعکس، مصر میں آبادیاتی فساد اور تباہی کے آثار جو فرانسیسی مہم کے نتیجے میں سامنے آئے۔ اسی طرح، دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ کے ہاتھوں جو بارودی سرنگیں لگائی گئیں، ان کا بھی آج تک اثر محسوس کیا جا رہا ہے، حالانکہ اس جنگ میں ہمارا کوئی حصہ نہیں تھا!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے خوشی و غم اور ان کی روایات میں شریک ہوتے تھے کیونکہ یہ آپ کی فطرت اور صفت تھی۔ کیونکہ جو شخص لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، وہ ان کے دلوں، زبانوں اور ہاتھوں کے اثرات سے متاثر ہوتا ہے، جیسے خوشی، غم، غصہ، اور رضا کے لمحات میں شامل ہوتا ہے۔

مثالی شخصیت کی مثال یہ نہیں ہے کہ وہ صرف خوشی اور رضا کے حالات میں ہی نظر آئے اور غم اور غصے کے حالات سے دور رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آتے تھے، مگر یہ جاننا ضروری ہے کہ کب، کیوں، اور کس چیز پر آپ غصے میں آتے تھے، اور آپ اپنے غصے کا اظہار کیسے کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غصے میں بھی مسالمت کا رویہ رکھتے تھے، اور کبھی بھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیتے تھے۔ لیکن جب اللہ کی حرمت کی خلاف ورزی ہوتی، تو ان کا غصہ بے حد شدید ہو جاتا تھا۔

آپ غصے کا اظہار کرنے میں مثالی تھے؛ کبھی یہ اظہار ایک نظر سے ہوتا تھا، کبھی مسکراہٹ سے، کبھی عدم توجہ سے، اور کبھی ہر موقع کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کرنے سے تھے۔ کوئی بھی شخص آپ کے رد عمل کو الفاظ یا افعال کے ذریعے اپنے غصے کے اظہار میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ جب قریشی لوگ آپ کو برے ناموں سے پکارتے، جیسے "یا مذمم" تو وہ کہتے: "کیا تمہیں تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ کس طرح قریش کی بددعاؤں اور ان کی گالیوں سے مجھے بچاتا ہے؟ وہ مذمم کو برا بھلا کہہ رہے ہیں، جبکہ میں تو محمد ہوں!"³⁵

آپ کے رد فعل مسائل کو نہ بڑھائیں اور نہ ہی جذبات کو بھڑکائیں، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے³⁶:

اور میں نے برے شخص سے ملاقات کی تو مجھ پر لعنت کیا

تو میں آگے بڑھا، اور پھر میں نے کہا، "اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثالی تجزیہ کار تھے، اور وہ محض اس وجہ سے غصے میں نہیں آئے کہ بولنے والا ان کا دشمن تھا! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس مثالی صفت کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے، جیسے کہ

35 صحیح البخاری (3533) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔

36 الکامل، المبرد 3/61، الصحاح، الجوهری 5/1882۔

فرمایا: ﴿ اے ایمان والو! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے ﴿﴾ (المائدہ: 8)

یعنی: کسی کی دشمنی آپ کو اس پر ظلم کرنے پر مجبور نہیں کرے گی۔

روایت ہے کہ امام علی زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ ایک دن خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، تو کچھ بے وقوفوں نے ایک سفیہ کو اکسایا کہ وہ ان پر لعن طعن کرے۔ اور انہوں نے کہا: "اگر تم نے اس کا غصہ بھڑکایا کہ وہ تمہیں گالی دے اور برا بھلا کہے تو ہم تمہیں ہزار درہم دیں گے!" یہ سفیہ امام کو مسجد کے باہر انتظار کر رہا تھا، جب اس نے امام کو باہر آتے دیکھا تو اس پر بے تحاشہ گالیاں اور برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور ایسی صفات کی طرف اشارہ کیا جو فاسقین کے لائق نہیں ہیں، اور نہ ہی ہدایت کے اماموں کی!۔ یہ سب کچھ سیدنا علی زین العابدین رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور کچھ نہیں کہا۔ جب وہ شخص اپنی بات ختم کر چکا تو علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: "اے بھائی! اللہ کی قسم، جو کچھ تم نے میرے بارے میں کہا ہے، اور اس سے بھی بُری باتیں جو اللہ نے ہم پر چھپا رکھی ہیں!"۔ اس پر اس شخص نے کہا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہو۔" جب اس شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس نے ایسا کرنے کی وجہ کیا تھی، تو اس نے اسے بتایا کہ وہ کچھ حسد کرنے والوں کے ساتھ متفق تھا۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ہزار درہم دیے اور فرمایا: "اگر تم پر کوئی ضرورت پڑے تو ہمارے پاس آنا، اور بے وقوفوں کے دروازوں پر نہ جانا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصہ کرتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے کا اظہار اس غلطی کے خلاف ہونے اور دوسروں کے خلاف ہونے کے درمیان مختلف تھا، اور اگر یہ ان کے حق میں تھا تو اس کا اظہار انکار کے ساتھ کیا جاتا تھا، یعنی: وہ ان لوگوں کے ساتھ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور توہین کرتے

تھے، اور اگر یہ دوسروں کے خلاف ہے تو ایک وقفہ ضروری ہے تاکہ ظالم غلطی نہ کرے، چاہے وہ پیغام سے پہلے ہو یا بعد میں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کرتے تھے تاکہ یہ غلطی ایک ایسی سماجی رجحان نہ بن جائے جس پر قابو پانا مشکل ہو۔ انہیں لوگوں کے درمیان کسی بھی بنیاد پر تفریق سے بھی غصہ آتا تھا، چاہے وہ قبیلی بنیاد پر ہو یا کوئی اور بنیاد پر ہو۔ چنانچہ جب ایک مخزومی عورت کے چوری کرنے کا معاملہ پیش آیا تو قریش اس بارے میں پریشان تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: "کون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملے میں بات کر سکے؟" تو انہوں نے کہا: "صرف اسامہ بن زید، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں، اس معاملے میں بات کر سکتے ہیں!" چنانچہ اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم اللہ کی حد میں شفاعت کر رہے ہو، اے اسامہ؟"۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا، جس میں فرمایا: "اے لوگو! بے شک، ان لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا جو تم سے پہلے تھے، کیونکہ جب ان میں کوئی معزز شخص چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے، اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو وہ اس پر حد قائم کرتے۔ اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد نے چوری کی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا"۔³⁷

نبی صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کرتے تھے اگر لوگوں کے درمیان رنگ کی بنیاد پر تفریق ہوتی، جیسا کہ سیدنا ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ یہ عظیم صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ایک خاص مقام رکھتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: "زمین نے کبھی بھی اتنے سچے آدمی کو نہیں اٹھایا اور نہ ہی آسمان نے اتنے سچے آدمی کو سایہ دیا، جتنا ابو ذر ہے۔"۔³⁸ لیکن ایک دن انہوں نے ایک غیر مناسب بات کہی اور ان کے غصے نے انہیں یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ: "اے ابن السوداء!"۔ اس کے نتیجے میں انہیں سخت جواب ملا، بلکہ

37 صحیح البخاری (3288)، صحیح مسلم (1688) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت۔

38 مصنف ابن ابی شیبہ (32265)، مسند الامام احمد (6519)، سنن الترمذی (3801) میں عبداللہ بن عمرو سے روایت۔

اس سے بھی زیادہ غصے کا سامنا کرنا پڑا، جس کا جواب سیدنا ابو ذر ایک لفظ سے بھی نہیں دے سکے۔ انہیں یہ بات سمجھ آگئی کہ یہ لفظ نہ تو مردانگی کی علامت ہے اور نہ ہی انسانیت کی۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: "اے ابو ذر! کیا تم نے اسے اس کی ماں سے عیب لگایا؟! یقیناً تم میں جاہلیت کی باتیں ہیں" ³⁹

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح غصے میں آجاتے تھے اگر لوگوں کے درمیان تفریق کسی جسمانی خاصیت کی بنیاد پر ہو۔ حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا کہ وہ ان کے لیے کھجور توڑ رہے تھے، جب ہوا چلی تو ان کی ٹانگیں کھل گئیں، اور صحابہ ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنسنے لگے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو؟! اللہ کی قسم، ان کی ٹانگیں تو پہاڑ احد سے بھی زیادہ وزنی ہیں۔"، یعنی: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ٹانگیں اس قدر اہمیت رکھتی تھیں کہ انہوں نے اپنے اعمال اور کوششوں کے ذریعے ان کی قدر و منزلت بڑھائی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کسی قسم کی نسلی تفریق کا سامنا ہوتا، تو وہ سخت غصے میں آجاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! جان لو، تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا اصول بھی ایک ہے۔ سنو! عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، اور نہ ہی عجمی کو عربی پر، نہ ہی سرخ رنگ کو سیاہ پر، اور نہ ہی سیاہ رنگ کو سرخ پر، سوائے تقویٰ کے۔ کیا میں نے یہ پیغام پہنچا دیا؟" ⁴⁰

وہ غضبناک ہوتے تھے جب تفریق جنسی بنیاد پر کی جاتی تھی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورتیں مردوں کی شریک ہیں۔" ⁴¹

39 صحیح البخاری (30) میں المعروف بن سوید سے روایت۔

40 مسند الامام احمد (23489) میں ابو نادر سے روایت۔

41 سنن ابی داود (236)، سنن الترمذی (113) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت۔

وہ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آ جاتے تھے اگر تفریق مذہبی بنیاد پر کی جاتی تھی، کیونکہ انسانیت سب کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ جیسا کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی کی جنازہ گزری تو آپ کھڑے ہو گئے۔ جب آپ سے کہا گیا کہ یہ تو یہودی کی جنازہ ہے، تو آپ نے فرمایا: "کیا یہ ایک جان نہیں ہے؟" ⁴²۔

انہوں نے سوچا کہ دین کا اختلاف انسانوں کے درمیان انسانی تعامل کو متاثر کر سکتا ہے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ سکھایا کہ یہ بات درست نہیں ہے۔ دین انسانی فطرت کی صفات کو متضاد نہیں کرتا، بلکہ یہ انہیں مستحکم کرتا ہے اور ان کی اہمیت کو بڑھاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر بھی غصہ کرتے تھے جب کسی کے باطن پر حکم لگایا جاتا، یا لوگوں کو ظن پر لیا جاتا، جیسے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک واقعہ ہوا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جحینہ کی طرف بھیجا، اور ہم صبح سویرے ان کی آبادی پر پہنچ گئے۔ میں اور ایک انصاری صحابی ایک آدمی کے پیچھے لگے۔ جب ہم نے اس پر حملہ کیا تو اس نے کہا: لا إله إلا الله! تو انصاری صحابی نے اس سے باز آ گیا، لیکن میں نے اپنے نیزے سے اسے مار کر ہلاک کر دیا۔ جب ہم مدینہ واپس آئے تو یہ خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ آپ نے فرمایا: 'اے اسامہ! کیا تم نے اسے لا إله إلا الله کہنے کے بعد قتل کر دیا؟' میں نے کہا: یا رسول اللہ! وہ تو خوف کی حالت میں تھا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اسے لا إله إلا الله کہنے کے بعد قتل کیا؟' اور آپ یہ بات بار بار کہتے رہے، یہاں تک کہ میں چاہتا تھا کہ میں اس دن سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔" ⁴³۔

42 صحیح البخاری (1312)، صحیح مسلم (690)۔

43 صحیح البخاری (6478)، صحیح مسلم (96)۔

اور ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے: "کیا تم نے اس کے دل کے باطن کو نہیں دیکھا؟" ⁴⁴، یعنی: تمہیں کیا معلوم کہ اس نے یہ الفاظ خوف کے مارے کسے ہوں، شاید وہ اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور اپنے رب کی طرف لوٹ رہا تھا، جبکہ وہ مخلوق کی عبادت سے دستبردار ہو رہا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر بھی غصہ کرتے تھے جب حقوق کی خلاف ورزی ہوتی اور قوانین کی پامالی ہوتی، یہاں تک کہ وہ اس بات پر بھی ناراض ہوتے تھے اگر کوئی شخص اپنے حق کو خود ہی نقصان پہنچاتا تھا!

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک رسی دو ستونوں کے درمیان لٹکی ہوئی ہے۔ آپ نے پوچھا: یہ رسی کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: یہ زینب کے لیے ہے، تاکہ جب وہ تھک جائے تو اس رسی کو پکڑ کر اپنی نماز جاری رکھ سکے۔" تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے کھول دو، تاکہ تم میں سے کوئی اپنے مقدور کے مطابق نماز پڑھے، اور اگر تھک جائے تو بیٹھ جائے۔" ⁴⁵ - یعنی، یہ بات بہت اہم ہے کہ انسان اپنے اوپر بوجھ نہ ڈالے، یہاں تک کہ عبادت کے معاملے میں بھی۔

وہ شفقت ایک نبی اور رسول کی طرف سے ہے جسے اللہ نے طاعت، عبادت، اور قربت کی بڑھوتری کا حکم دیا ہے!۔ ہاں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور آخر میں انسان تھے، اور انسانیت کے لیے تمام تھکن اور مشقت سے آرام دینے والے تھے، اسی لیے بڑے مؤلف (میکس وان برشم) نے اپنی کتاب "ایشیا میں عرب" میں یہ کہا: "حق یہ ہے کہ محمد انسانیت کے لیے ایک فخر ہیں، اور وہ ہی تھے جو سب کے لئے رحمت لے کر

44 صحیح مسلم (96) میں اسامہ بن زید سے روایت۔ اور یہ ابن ابی شیبہ کی حدیث ہے جو ان کی مسند (28932) میں ہے۔

45 صحیح البخاری (1099)، صحیح مسلم (784)۔

آئے، لہذا ان کی بعثت کا عنوان یہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام جہان کے لئے رحمت (بنا کر) بھیجا ہے﴾ (الانبیاء: 107)

غصہ قوت کے اظہار کے لیے ہو سکتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ قوت موجود تھی، لیکن پھر بھی وہ معاف کر دیتے تھے۔ کبھی غصہ لوگوں کے لیے انتقام لینے یا اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی خاطر بھی ہو سکتا ہے، اور یہ کام صرف وہی شخص کرتا ہے جو دوسروں کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہو۔ تو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوچیں جو اپنے ارد گرد والوں کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں؟!

اور غصے میں لوگ کے حالات چار اقسام ہوتے ہیں:

جلدی غصہ کرنے والا، اور غصے سے جلدی نہ نکلنے والا، یہ سب سے بدتر ہے۔ اور جلدی غصہ کرنے والا، اور جلدی غصے سے نکل جانے والا، یہ پہلے سے بہتر ہے۔

اور آہستہ غصہ کرنے والا، اور آہستہ غصے سے نکلنے والا، یہ دونوں سے بہتر ہے۔ اور آہستہ غصہ کرنے والا، اور جلدی غصے سے نکل جانے والا، یہ سب سے بہترین ہے۔

ان سب میں بہترین شخص ہے جو ایک متوازن شخص ہے۔ کیونکہ وہ فوری طور پر غصے میں آئے جب ضرورت ہو؛ تاکہ کسی بڑے خطرے کو ٹال سکے، اور آہستہ غصہ کرے ایسی صورت میں جو مزید غصے کو بھڑکاتی ہے!

ایسے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کی قدر و قیمت سمجھتے تھے، یہ صرف حق کے لیے غصہ کرنے والے کے ساتھ ہی ہوتا ہے؛ کیونکہ جو باطل کے لیے غصہ کرتا ہے، اسے لوگ قبول نہیں کرتے، خاص طور پر اگر وہ مروت والے لوگ ہوں، جیسا کہ عرب عموماً اور قریشی خاص طور پر ہوتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اور جذبات پر سخت کنٹرول رکھتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا: "طاقثور شخص وہ نہیں ہوتا جو زور بازو سے جھک جائے، بلکہ وہ ہے جو غصے کے وقت میں اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔" 46

اس جذباتی استحکام نے ان کے دشمنوں کو حیران کر دیا کہ وہ ایک رنگا رنگ انسان بن جائیں جو لوگوں کی رائے پر اثر انداز ہوں، چنانچہ زید بن سعنه، اور وہ یہودیوں کے احبار میں سے ایک تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض مانگتا ہے، اس لیے انہوں نے اپنے دائیں کندھے سے اپنا لباس کھینچ لیا اور پھر کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹے، آپ آپ کے مالک ہیں - آپ کو قرض ادا کرنے میں دیر ہو گئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی سرزنش کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عمر! میں اور وہ آپ کی ضرورت کے برعکس تھے کہ مجھے اچھے فیصلے کا حکم دیں اور اس پر اچھا مقدمہ کرنے کا حکم دیں، جاؤ عمر اپنا حق ادا کرو، لیکن اس کے پاس تین دن باقی رہ گئے ہیں یعنی: کارکردگی کے وقت تین دن باقی رہ گئے ہیں، اسے ڈرانے کے لیے تیس سال کا اضافہ کر دو۔ 47

* * *

46 صحیح البخاری (5763)، صحیح مسلم (2609).

47 المستدرک علی الصحیحین، الحاکم (2264).

فصل سوم: غور و فکر

ہر متوازن انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے لیے کچھ وقت نکالے تاکہ خود کے ساتھ رہے، کیونکہ لگاتار پیش آنے والے حالات میں غلطیوں کا امکان بڑھ جاتا ہے، جس کے نتیجے میں لوگوں کے ساتھ تعلقات میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے؛ کیونکہ انسان تھکاوٹ اور اکتاہٹ کا شکار ہوتا ہے۔

جو شخص کبھی کبھار تنہائی میں بیٹھ کر اپنا محاسبہ کرتا ہے اور اپنی کمزوریوں کی نشاندہی کر کے انہیں دور کرتا ہے، وہ اپنی زندگی میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس لئے تنہائی "خلوہ" سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے، اور انسان خود پر غور کرے اور اپنی اصلاح کرے، کیونکہ معاشرہ افراد کی اصلاح سے ہی بہتر ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ایک خوبصورت شخصیت تھی جو خوبصورتی کو پسند کرتی تھی، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کو خوبصورتی کے مقامات کی طرف لے جاتے، اور ہر سال ایک مکمل مہینہ تنہائی میں گزارتے تاکہ اپنے دماغ کو ملک اور ملکوت کی دنیا میں سیر کا موقع فراہم کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خالق کائنات کے بارے میں غور و فکر میں مشغول رہتے تھے۔ تم اس عظیم حدیث پر غور کرو جو امام بیہقی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور دیکھا کہ دروازے پر رنگین پردہ لٹکا ہوا ہے، تو فرمایا: "اسے اتار دو، کیونکہ اس نے مجھے دنیا کی یاد دلادی ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے رب کی یاد اور اس کی عظمت کے تفکر میں مشغول رہتے تھے، کیونکہ آپ کی ذمہ داری دعوت و رسالت کا فریضہ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ پر لوگوں کا حق تھا۔

اور ہر چیز میں اس کی ایک نشانی ہے

جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہی واحد ہے۔⁴⁸

بہت سی مفکرین اس غیر مرئی دنیا میں غوطہ لگانے کی کوشش کرتی رہی ہیں، لیکن وہ اس کی علامتوں میں سے کچھ بھی نہیں سمجھ سکیں۔ اور غیر مرئی چیزوں کا انکار کر دیا، اور کہا کہ: یہ سب محض ایک خیالی بات ہے اور حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے!۔ ان کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے ان دنیاؤں میں دونوں اپنے جسم اور اپنی عقل کے ساتھ قدم رکھا۔

حقیقی تعجب تو یہ ہے کہ ایک جسم زمین سے تعلق رکھتا ہو، جبکہ عقل آسمانوں کی سیر کر رہی ہو! کیا یہ ممکن ہے کہ جسم عقل کو محدود نہ کرے، اور عقل جسم کو اپنی طرف نہ کھینچے؟

کیا یہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گہری سوچ اور متوازن عمل کی گواہی نہیں دیتا کہ آپ نے اپنے دشمنوں کو آپ کی شخصیت کے تجزیے میں حیران کر دیا؟

کبھی وہ آپ کو جادوگر کہتے، کبھی دیوانہ، کبھی کاہن، اور کبھی شاعر! یہ سب اس لیے کیونکہ انہوں نے آپ کو ایک غیر معمولی شخصیت دیکھی تھی، جو عمدہ صفات اور رد عمل میں مثالی تھی، ہر انسانی پیمانے پر مکمل تھی، لیکن وہ اس مثالی ہونے کا منبع نہیں جان پائے اور اسی وجہ سے حیرت میں مبتلا ہو گئے۔

وہ کبھی جادو کی طرف اشارہ کرتے، جو ظاہری طور پر آنکھوں کو دھوکہ دیتا ہے مگر حقیقت میں محض سراب ہوتا ہے۔ کبھی کاہنوں کی پیشین گوئیوں کی بات کرتے، جو مستقبل کے لیے تیاری کرتے ہیں اور اچانک پیش آنے والے واقعات کا انتظار نہیں کرتے۔ کبھی شاعری کو وجہ بتاتے، جو فقیروں کو بادشاہ بنا دیتی ہے اور

⁴⁸ یہ شاعری ابو العتاسیہ اسماعیل بن قاسم سے منسوب ہیں اور ان کی تکمیل:

وہ کتنا حیرت انگیز ہے کہ کسی شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے.. یا کتنا وہ ناشکرا ہے

اور ہر حرکت میں اللہ کے لئے .. اور سکون کبھی گواہی نہیں دیتا

اور ہر چیز میں اللہ کی ایک نشانی موجود ہے .. اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ ایک ہے

بادشاہوں کو عام لوگوں اور غلاموں کی طرح کر دیتی ہے۔ کبھی جنوں کی طرف اشارہ کرتے، جس میں انسان کو غیر ارادی افعال کے کھڑے میں کھڑا کر دیا جاتا ہے، چاہے وہ ہوش میں مثالی ہو!

ان تمام الزامات کے باوجود، اس مثالی شخصیت کا جذباتی استحکام ان پر غالب آ گیا، اور ان میں سے بہت سے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین کی صفوں میں شامل ہو گئے۔

جب انہوں نے آپ کے قریب ہو کر برتاؤ کیا، تو آپ کو اپنی صفات میں بناوٹی نہیں پایا کہ آپ ظاہر کچھ کریں اور باطن میں کچھ اور ہوں۔ بلکہ، انہوں نے اپنے آپ کو ایک ایسی شخصیت کے سامنے پایا جو انہیں خود کے سامنے لا کھڑا کرتی اور ان کی عقل کے مطابق ان کا محکمہ کرتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوالات کے جواب فوراً نہیں دیتے تھے، بلکہ ان کی عقل کو جواب تلاش کرنے کا موقع دیتے تھے، چاہے وہ ایک سوال کو بار بار دو، تین یا چار مرتبہ ہی پوچھیں۔

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غضب فرماتے جب آپ ایسے لوگوں سے سمجھ کی کمی دیکھتے جو فہم کی صلاحیت رکھتے تھے۔ جیسا کہ امام حافظ احمد بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو کسی عمل کا حکم دیتے تو ان کے حسب استطاعت ہی دیتے۔ لوگوں نے کہا: "ہم آپ جیسے نہیں ہیں، یا رسول اللہ، بے شک اللہ نے آپ کے لگے اور پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں۔" اس پر آپ غضبناک ہو جاتے، یہاں تک کہ آپ کے چہرے پر غصہ نمایاں ہو جاتا، اور پھر فرماتے: "بے شک میں سب سے زیادہ تقویٰ رکھنے والا اور اللہ کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہوں۔"⁴⁹

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے غضب کا اظہار کیا کیونکہ آپ نے ان کی سمجھ کی کمی دیکھی، جو اللہ کے قرب اور زیادہ اعمال کے درمیان فرق کو نہ سمجھ سکے، حالانکہ آپ ان کی ذہانت اور گہری ملاحظہ کی قوت سے بخوبی واقف تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے صحابہ کے ذہنوں کو بہتر کرتے تھے۔ آپ ان سے اکثر سوالات پوچھ کر جو غور و فکر کا تقاضا کرتے تھے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گہری سوچ، قوی ملاحظہ، اور کثرتِ غور و فکر صرف پیش آنے والے حالات و واقعات کی وجہ سے نہیں تھے، بلکہ یہ ایک آزادانہ سوچ تھی، جو آپ کی پاکیزہ نفس سے پھوٹی تھی۔ یہ غور و فکر زندگی کی ہنگامہ آرائی سے فرار جن کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غور و فکر محبتِ علم سے متاثر تھا، اور کائنات کی گہرائیوں کو حل کرنے کے شوق سے جڑا ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن کسی لمحے کو بغیر علم کے بڑھانے، کسی مسئلے یا گتھی کو حل کرنے کے لیے راضی نہیں ہوتا تھا۔ ہم نے یہ بات اس وقت محسوس کی جب آپ نے آل عمران کی آخری آیات کی تلاوت کی اور فرمایا: "بدبخت ہے وہ شخص جو اسے پڑھے لیکن اس میں غور و فکر نہ کرے۔"

کینیڈین مستشرق ڈاکٹر زویر (1813-1900)، جو اسلام کا دشمن سمجھا جاتا ہے، اپنے کتاب "مشرق اور اس کے رسم و رواج" میں لکھتے ہیں: "بے شک محمدؐ مسلمانوں کے دینی قائدین میں سے ایک عظیم قائد تھے، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک قابل اصلاح کار، بلیغ و فصیح، جری، مغوار، اور ایک عظیم مفکر تھے۔ اور ہمیں نہیں چاہیے کہ ہم انہیں ان صفات کے خلاف کچھ منسوب کریں۔ اور یہ قرآن، جو آپ کے ساتھ آیا، اور آپ کی تاریخ اس دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے۔" یہ حق وہی ہے جو دشمن بھی تسلیم کرے۔

فصل چہارم (فوری بصیرت)

فوری بصیرت کے صاحب کی صلاحیت کا ایک ثبوت ہے کہ وہ خیر میں مثالی ہو سکتا ہے اور شر میں چالاک بھی۔ اگر وہ خیر کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے اور اپنے دماغ کو اس میں استعمال کرتا ہے تو یہ اس بات کا بڑا ثبوت ہے کہ اس کی روح نفسیاتی بیماریوں سے محفوظ ہے۔

فوری بصیرت ایک قسم کا ذہانت ہے جس پر صاحب خود کنٹرول نہیں رکھ پاتا؛ وہ اپنے ماحول میں صرف گفتگو کرنے یا اپنی حرکات و سکنات کو دیکھ کر ہی ذہانت کا پتہ لگا لیتا ہے۔

میں نے (غور و فکر) کے فصل کے بعد (فوری بصیرت) کا فصل شامل کرنے کا ارادہ کیا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سُست تھی، جو فوری حالات کا سامنا نہیں کر سکتی اور اسے منصوبہ بندی اور تدبیر کے لیے وقت کی ضرورت ہے!

میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ سیدنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلیتیں بے مثال تھیں اور ان کی مہارتیں اعلیٰ سطح کی تھیں، لیکن وہ ہر چیز کی قدر و قیمت کا خیال رکھتے تھے، جیسا کہ شاعر نے کہا:

کبھی کبھی سوچ سمجھ کر عمل کرنے والا اپنی بعض ضروریات حاصل کر لیتا ہے،

اور کبھی جلد بازی کرنے والے سے غلطی ہو جاتی ہے...

اور کبھی کچھ لوگوں کی کوئی بات ان سے چھوٹ جاتی ہے،

جبکہ اگر وہ جلدی کرتے تو ان کا حق ادا ہو جاتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات سے مؤثر طریقے سے نمٹتے تھے جن میں فوری فیصلہ کرنا ضروری ہوتا، جبکہ ایسے مواقع کو مؤخر کرتے تھے جو انتظار کر سکتے تھے۔

فوری بصیرت رکھنے والا شخص عموماً اپنے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ سچا ہوتا ہے، اسی لیے وہ مشکلات اور پیچیدگیوں سے آسانی سے نکل جاتا ہے۔ اس کی بہترین مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوری طور پر دیے گئے جوابات ہیں، جو کہ سائل کو قائل کر دینے والے اور حیران کن ہوتے ہیں۔

ایک مختصر گفتگو کا ذکر کرتے ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک صحابی کے درمیان ایک زندگی کے معاملے پر ہوئی۔ یہ گفتگو موضوعیت پر مبنی ہے، جو سماجی فرقوں کو مٹاتی ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایک دینی معاملے کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں جو عقیدے سے متعلق ہے اور اس کا ایک طبی پہلو بھی ہے۔ صحابی اس طبی پہلو پر آپ سے حس اور مشاہدے کی بنیاد پر دوبارہ سوال کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "نہ کوئی بیماری کی سرایت ہے، نہ ہی کوئی بدشگونی ہے"۔⁵⁰

یعنی: بیماری کسی شخص سے دوسرے شخص میں منتقل نہیں ہوتی مگر اللہ کی مرضی سے ہے۔ اگر اللہ نے ایسا نہ ہونے کا فیصلہ کیا تو بیماری منتقل نہیں ہوگی، چاہے صحت مند اور بیمار ایک ہی بستر پر ہوں!

اور یہ مسئلہ (بیماری کی سرایت) دراصل اللہ کی قدرت کا ایک راز ہے جسے اس نے بندوں سے پوشیدہ رکھا ہے۔

ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوال کیا: "اے رسول اللہ! ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب ایک بیمار اونٹ صحتمند اونٹوں کے درمیان آتا ہے، ان سب کو بیمار کر دیتا ہے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ایک وضاحتی سوال کے ذریعے جواب دیا جو ان کے دل میں کوئی شائبہ نہیں چھوڑتا: "تو پہلے بیماری میں مبتلا ہونے والا کون تھا؟"

یعنی: پہلا اونٹ جس نے بیماری کا شکار ہوا، وہ کون تھا جو صحت مند اونٹوں کے پاس گیا؟ کیا یہ بھی بیماری کی سرایت ہے؟ یا یہ اللہ کی مقدر کردہ بات تھی؟

ایسے سوالات کے ذریعے یہ واضح ہوتا ہے کہ آخر کار بیماری کا شکار ہونے والا اونٹ کسی بیماری کے بغیر بھی اللہ کی مرضی اور قدرت کے تحت بیمار ہو سکتا ہے، اور یہ نہیں کہ یہ صرف بیماری کی سرایت کا نتیجہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ سب چیزیں اللہ کی مقدر کردہ تقدیر کے مطابق ہوتی ہیں، اور اس راز کو سمجھنا ضروری ہے جو کہ ظاہری چیزوں میں پوشیدہ ہے۔

جب ایک صحابی نے آپ سے نصیحت طلب کی، تو آپ نے فرمایا: "غصہ نہ کرو۔" آپ نے یہ بات کئی بار دہرائی۔⁵¹

تو دیکھیں کہ یہ مختصر نصیحت، جو جامع کلام میں سے ایک ہے، اگر لوگ اس پر عمل کریں تو ہمیں بہت سی مسائل سے بچنے کا موقع مل سکتا ہے

انتہائی ذہانت اور تیز رفتار فوری بصیرت یہ ہے کہ جب روایتی حل ناکام ہو جائے تو فوری طور پر متبادل حل فراہم کیا جائے، اور اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے متعدد جائز طریقے اپنائے جائیں۔

جب قریشی لشکر "بدر" کے علاقے میں پہنچتا ہے، جہاں اسلامی فوج نے اپنا ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔ یہ فوجوں کی عادت تھی کہ وہ میدان جنگ میں پہنچنے سے پہلے اپنے جاسوسوں کو بھیجتی تھیں تاکہ وہ علاقے کی نوعیت، اس کی خصوصیات، اور دشمن کے بارے میں حاصل کردہ معلومات فراہم کریں۔ ان جاسوسوں میں یہ شرط رکھی جاتی

تھی کہ وہ ذہین ہوں، حالات کے مطابق اچھی طرح سے برتاؤ کر سکیں، اور اگر انہیں دشمن کے جال میں پھنسنے کا خطرہ ہو تو اپنی شناخت اور اپنی فوج کے بارے میں معلومات چھپانے میں ماہر ہوں۔

قریش کے جاسوس اسلامی لشکر کے کیمپ میں پہنچے، جن میں دو مرد شامل تھے۔ وہ اسلامی فوج کی چوکی کی وجہ سے پکڑے گئے، اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ ان کے درمیان ایک مختصر گفتگو ہوئی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: "تمہارے لوگوں کی تعداد کتنی ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "ہمیں نہیں معلوم!"

یہ جواب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ اپنے لوگوں کے لیے مخلص تھے اور اپنے قوم کے بارے میں شدید عقیدہ رکھتے تھے، اور اس صورت میں، معلومات حاصل کرنے کے لیے انہیں عذاب دینے کا نا کام ہوتے تھے! لہذا، انہیں چالاکي سے پکڑنے کی ضرورت تھی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: "وہ روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" یعنی، وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں تاکہ کھانا کھا سکیں؟

انہوں نے جواب دیا: "کبھی نو اونٹ، اور کبھی دس اونٹ ذبح کرتے ہیں!"

مطلب ہے کہ وہ روزانہ نو اونٹ کھاتے ہیں، اور کسی دن دس اونٹ کھاتے ہیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا: "ان کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے۔"

اس طرح، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست سوال کے ناکام ہونے کے بعد غیر مستقیم طریقے سے اپنے مقصد کو حاصل کر لیا۔ انہوں نے اپنی ذہانت کے ذریعے ان کی تعداد معلوم کی، نہ کہ ان دونوں مردوں پر طاقت یا دباؤ ڈال کر۔

اس کے علاوہ یہ ایک ایسی مہارت ہے جس کے تحت انسان بغیر جھوٹ یا دھوکہ دہی کے مشکل حالات سے نکلنے میں کامیاب ہوتا ہے!

اسی معرکے میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر قریش کے لشکر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو عمر کے اثرات کی وجہ سے جھک گیا تھا، اور اس کے بھنویں اس کی آنکھوں پر گرتی تھیں۔ اس شخص کی تجربے کی باتیں ایسی تھیں جو بہت سے انسانوں اور جنات میں نہیں تھیں۔

انہوں نے اس سے قریش کے بارے میں پوچھا: "کیا تم نے انہیں دیکھا ہے؟ یا تمہیں قریش کی آمد کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

اس شخص نے انہیں اپنی معلومات فراہم کیں، پھر وہ ان سے پوچھا: "تم کس قوم سے ہو؟"

جواب دو طرح کا ہو سکتا تھا: ایک تو سچائی — یعنی وہ اپنے بارے میں بتاتے، یا دوسری صورت میں جھوٹ بولتے۔ دونوں صورتوں میں معاملہ سخت تھا! کیونکہ جس نے انہیں معلومات دیں، وہ آسانی سے ان کے بارے میں بتا سکتا تھا۔ مزید برآں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی جھوٹ نہیں بول سکتے!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "ہم پانی سے ہیں۔"

یہاں "پانی" سے مراد مرد اور عورت کا پانی ہے جس سے انسان بنتا ہے۔

یہ سن کر وہ شخص سوچنے لگا: "کیا یہ عراقی پانی ہے یا کچھ اور؟"

وہ شخص یہ سمجھ گیا کہ "پانی" سے مراد دراصل کسی عرب قبیلے کا نام ہے!

اب سوال یہ ہے: کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اتنی مہلک صلاحیتیں، جیسے کہ فوری بصیرت، تیز سوچ، اور بہترین منصوبہ بندی رکھتا ہو، اور پھر بھی اپنی زندگی میں کبھی کسی کو نقصان نہ پہنچائے یا کسی کو نقصان پہنچانے کا سوچے بھی نہیں؟

یہ سوال ہمیں اس بات کی طرف لے جاتا ہے کہ اس مہلک سلاح کی حفاظت کے لیے کیا ضروری ہے، اور وہ خاصیت جو اس کے صحیح استعمال کی ضمانت دیتی ہے، یعنی "نفسیاتی اور بیرونی سلامتی"۔

فصل پنجم: (نفسیاتی اور خارجی امن)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے آپ سے یا کسی اور سے کوئی جھگڑا نہیں تھے۔

آپ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن کی روحوں نے انہیں دوسروں کے ساتھ ملنے سے روک دیا ہو، اور نہ ہی ان لوگوں میں سے تھے جو دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے اپنی اصلاح سے غافل رہیں۔

آپ کی روح مطمئن اور محفوظ تھی۔ روح کی سکون اور استحکام کا ایک خارجی اثر ہوتا ہے جو مختلف حالات میں آپ کے برتاؤ میں ظاہر ہوتا ہے، اور ہم نے اس بارے میں "جذباتی استحکام" کے وصف کا ذکر کیا تھا۔

اس فصل میں ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی حالت میں امن و سکون اور کشیدگی کس طرح نظر آتی ہے، اور یہ آپ کے افعال اور ان کے جواب میں مختلف مواقع پر کیسے نظر آتا ہے۔

ایک مسلمان کے طور پر، میں اس شخصیت (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر تنقید کرنے کی جرات نہیں کر سکتا جس کا میں احترام کرتا ہوں اور جس پر اللہ نے اپنا فضل کیا ہے!

میں اس شخصیت کی ہر صفت کو عظیم سمجھتا ہوں اور اسے مکمل سے کم نہیں کہہ سکتا۔

لیکن اس پیچیدہ فصل میں، میں حالات اور واقعات کو بڑی بے طرفی کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کروں گا، اور اپنے قارئین کو اپنی رائے کی طرف ہدایت کیے بغیر ان کے فیصلے کے لیے پوری جگہ چھوڑ دوں گا۔

بے شک ایک عدائی شخصیت وہ ہوتی ہے جو نہ صرف اپنے آپ سے نقصانات کو دفع کرتی ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اپنے مخالف کو ذلیل کرنے، اس سے انتقام لینے، اور اس پر تشدد کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

اور مسالمتی شخصیت وہ ہوتی ہے جس سے لوگ اس کی سوچ کی برائیوں اور تدبیر کی شدت سے محفوظ رہتے ہیں، یہ وہ شخصیت ہے جو غمگین لوگوں پر رحم کرتی ہے۔

مسالمتی شخصیت وہ ہے جو اپنے ارد گرد کے معاشرتی سکون کو برقرار رکھتی ہے، چاہے اس کی قیمت خود کو ہی ادا کرنی پڑے!

محترم قارئین، آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسالمتی شخصیت کو اس بات سے جانچ سکتے ہیں کہ آپ نے کبھی ان لوگوں کی گالیوں اور توہینوں پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا، اور نہ ہی آپ نے ان کے جواب میں کوئی بات کی! اور یہ سب کسی کمزوری یا ناتوانی کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ آپ تو قریشیوں کے سردار کا بیٹا اور ان کے عقلمند ترین اور خوش خلق لوگوں میں سے تھے!۔ اور یہ سب اس لیے تھا کہ انہوں نے نقصان کی بجائے سلامتی کو ترجیح دی، جیسے امام شافعیؒ⁵² کہا:

احمق مجھے بدتمیزی سے مخاطب کرتا ہے

اور مجھے اس کا جواب دینے سے نفرت ہے

وہ بے وقوفی میں اضافہ کرتا اور میں رواداری میں اضافہ کرتا ہے

جیسے ایک لکڑی جو جلے تو اس کی خوشبو بڑھ جاتی ہے۔

جب معرکہ بدر کا اختتام اسلامی فوج کی عظیم فتح کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں قریش کے ستر لوگ قتل ہوئے اور ستر دوسرے قیدی بن گئے!

⁵² امام شافعی کے دیوان میں آیا 11۔

مسلمانوں میں یہ سوال اٹھتا ہے: ان قیدیوں کا کیا کیا جائے؟

کیا ان سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور انہیں چھوڑ دیا جائے گا؟! لیکن یہ کیسے ممکن ہے، جبکہ کل ہی انہوں نے انہیں ان کی سرزمین، گھروں، اور مال و دولت سے نکال دیا تھا اور ان کے ساتھ ظلم و ستم کیا تھا؟!

کیا ان قیدیوں کے ساتھ ان زمانے کی جنگوں کی طرح سلوک کیا جائے گا، یعنی انہیں مسلمانوں میں غلام اور خادم کے طور پر تقسیم کیا جائے گا؟!

لیکن کیا کوئی شخص اپنے بھائی، اپنے باپ، یا اپنے چچا کو غلام بنا سکتا ہے؟!

یا پھر انہیں قتل کر دیا جائے گا جیسے وہ مسلمانوں کو قتل کرنے آئے تھے؟!

ان قیدیوں کے بارے میں فیصلہ کرنے سے پہلے، انہیں توہین آمیز سلوک کے ساتھ نہیں رکھا گیا، بلکہ انہیں بھاگنے کے خوف سے رسیوں سے باندھا گیا تھا! یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی اس پر پگھل گیا اور انہوں نے کچھ کی قید کو نرم کر دیا!

جب ان قیدیوں کے معاملے میں فیصلہ کرنے کا وقت آیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل شوریٰ کو جمع کیا تاکہ اس معاملے میں مشورہ لیا جاسکے۔ انہوں نے دو گروپوں میں تقسیم کیا: ایک گروپ کی قیادت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، اور دوسرے گروپ کی قیادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں والے گروپ نے یہ رائے دی کہ ان قیدیوں کو قتل کرنا بہتر ہے، اور یہ ایک عبرت ہو ان لوگوں کے لیے جو مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کریں گے، کیونکہ ان کا شعار یہ ہے: "نفس کے بدلے نفس، آنکھ کے بدلے آنکھ، اور پہل کرنے والا ظالم ہے۔"

جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں والے گروپ نے یہ رائے دی کہ ان سے فدیہ قبول کیا جائے اور انہیں آزاد کر دیا جائے، چاہے وہ اسلام قبول کریں یا نہ کریں، کیونکہ وہ ان کے بیٹے، باپ، چچا اور خالو ہیں۔

میری سرزمین، چاہے وہ میرے ساتھ نا انصافی کرے، میرے لیے عزیز ہے،
اور میری قوم، چاہے وہ میرے حق میں بخل سے کام لے، پھر بھی وہ معزز ہیں۔

ان کا نعرہ یہ تھا:

خوبصورتی بے دو چاہے اس کی جگہ نہ ہو،
خوبصورتی کبھی ضائع نہیں ہوگی جہاں بھی ہوئی جائے۔
اگر خوبصورتی چاہے وقت گزر جائے،

تو اسے صرف وہی حاصل کرے گا جس نے بویا۔⁵³

نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گروہ کی طرف میلان کیا، اور ان کی رائے لی، فدیہ قبول کیا، اور انہیں آزاد کر دیا، یہ آپ کی ابتدائی رائے تھی۔

یہ نبی کی پرامن فطرت تھی کہ وہ جنگ سے نفرت کرتے تھے، امن کو پسند کرتے تھے اور اس کی طرف مائل رہتے تھے، آپ نے فرمایا: "دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا مانگا کرو" ⁵⁴

⁵³ الدر الفید اور بیت القصید 3/343 (2722)۔

⁵⁴ صحیح البخاری (7237)، صحیح مسلم (1742)۔

اور آپ نے فرمایا: »مسلمان وہ ہے جو مسلمانوں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے (تکلیف پہنچنے سے) محفوظ رکھے«⁵⁵؟

لوگوں اور تمام مخلوق نے آپ سے امن پایا۔ آپ درخت کاٹنے، کھیتی برباد کرنے، اور آگ سے چیونٹیوں کو جلانے سے منع کرتے تھے!⁵⁶

اور جہاں تک بیرونی امن کا تعلق ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کے ساتھ دشمنی کا آغاز نہیں کیا، نہ ہی کسی قبیلے کے ساتھ جنگ کا آغاز کیا، اور ان کی تحیت "السلام علیکم" تھی۔ اور آپ کہتے تھے: "آپس میں سلام پھیلاؤ۔"⁵⁷ اور جب بھی وہ بادشاہوں اور رہنماؤں کو کوئی پیغام بھیجتے تو اس کا آغاز "سلامت رہو" کہہ کر کرتے، اور کسی جنگ میں داخل ہونے سے پہلے ہمیشہ امن کی درخواست کرتے، اور کسی بھی شہر میں داخل ہونے سے پہلے وہاں کے لوگوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کرتے، جیسے کہ یہودی قبیلے بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع، اور مکہ کے لوگوں کے ساتھ صلح حدیبیہ کے دن کیا۔

یہ صرف آپ کی نبوت کے بعد ہی نہیں ہوا، بلکہ ان کی شخصیت میں امن کی طرف جھکاؤ ایک فطری خصوصیت تھی، کیونکہ انہوں نے اپنی جوانی میں "حلف الفضول" میں شرکت کی، جو کہ "حرب الفجار" کے بعد ہوا، جس میں قریش بھی شامل تھا۔ یہ حلف تنازعہ میں موجود فریقین کے درمیان صلح کا معاہدہ تھا، جس کے نکات میں یہ طے پایا کہ جو مظلوم ہوگا اسے مدد فراہم کی جائے گی، اور جو ظالم ہوگا اس کے ہاتھ پکڑے جائیں گے۔ اس حلف کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر مجھے اسلام میں بھی ایسے حلف پر دعوت دی گئی تو میں ضرور جواب دوں گا۔"

55 صحیح البخاری (6484)، صحیح مسلم (41)۔

56 متنبی کی شاعری، اور اس کی تکمیل:

جو کچھ آپ دیکھتے ہیں اسے لے لو، اور جو کچھ آپ نے سنا ہے اسے چھوڑ دو

سورج کے طلوع ہونے میں کیا چیز آپ کو زحل سے خود بے رکھتی ہے

57 الادب المفرد، البخاری (980) (989)، صحیح مسلم (54)۔

اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ ایسا معاہدہ اور یہ سمجھوتہ ان کے نزدیک سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہے، جو کہ اس وقت بہترین قسم کی اونٹوں میں شمار ہوتے تھے اور دولت کا معیار سمجھے جاتے تھے۔

کیا ایسی عقل، ایسے ذہانت، اور انفعالات پر اتنی کنٹرول رکھنے والی اور امن پسند شخصیت مثالیت کی تلاش کرنے والوں کے لیے ایک مثال بننے کے لائق نہیں ہے؟

انگریزی مصنف (ایڈورڈ لین) اپنی کتاب "مصری اخلاقیات اور رسم و رواج" میں کہتے ہیں: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اندر بہت سی قابل تعریف خصوصیات تھیں، جیسے لطافت، شجاعت، اور اعلیٰ اخلاقی اقدار، یہاں تک کہ انسان ان پر اثر انداز ہوئے بغیر ان کی خصوصیات کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ محمد نے اپنے قبیلے اور خاندان کی دشمنی کو بے حد صبر اور حوصلے سے برداشت کیا! اور اس کے باوجود، اس کی نیکی کی بلندی یہ تھی کہ وہ کسی بھی شخص سے مصافحہ کرتے وقت اپنی ہاتھ کو نہیں کھینچتا، چاہے وہ بچہ ہو۔ آپ جب کسی جماعت سے ملے، تو ان کو سلام کیے گزرتا۔ آپ کے چہرے پر ہمیشہ ایک مسکراہٹ ہوتی تھی۔ محمد بہت حساس اور پُر جوش تھے۔ آپ حق کو نہیں چھپاتے اور باطل سے لڑتے تھے۔ آپ آسمان سے بھیجے گئے رسول تھے، اور چاہتے تھے کہ اپنی رسالت کو بہترین طریقے سے ادا کریں۔ اس کے علاوہ آپ اس مقصد نہیں بھولے جس کے لیے انہیں بھیجا گیا تھا، اور ہمیشہ اس کی خاطر کام کرتے رہتے تھے اور اس کے لیے ہر قسم کی مشکلات برداشت کرتے، یہاں تک کہ اپنے مقصد کو مکمل کر لیا۔"

* * *

فصل ششم: (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق پر شبہات کا جواب)

قریباٰ کہا جاتا تھا⁵⁸:

بلند مقام کو تکلیف سے نجات نہیں ملتی

جب تک اس کے کناروں پر خون نہ بہے۔

کوئی بھی عظیم شخصیت ایسی نہیں ہے جس سے لوگ برا بھلا نہ کہیں!۔ بے شک انسان جو ہوشیار، بصیرت والا، تیز فہمی اور وسیع علم رکھنے والا، اس کے افعال کو بہت سے لوگوں سمجھ کر نہیں سکتے۔ اور سب لوگوں نے گواہی دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوشیار، ذہین، سچائی، امانت، انصاف، رحم اور حلم میں نمایاں ہیں...

لیکن بعض محققین نے آپ کی سیرت کے کچھ واقعات پر غور کیا ہے جو ان کے خیال میں آپ کی صفات کے برخلاف ہیں، ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس دقت نظر سے نکلنے میں ناکام رہے کہ وہ ان واقعات کی نفی کریں۔ حالانکہ یہ ثابت ہیں۔ اس عالی شخصیت کے بارے میں غیرت کے باعث، اور اگرچہ وہ اپنے عمل میں معذور ہیں۔ اگر ان کے پاس تحقیق کے وسائل ہیں۔ تو، ان شاء اللہ، اللہ ان کی نیت کے اخلاص کے بدلے انہیں انعام دے گا۔

اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے ان واقعات میں اپنی غلطی کی تلاش کی، اور پھر انہیں یہاں وہاں پھیلانا شروع کر دیا، کبھی تنہا سیاق سے کاٹ کر، کبھی مکمل سیاق میں، لیکن وہ انہیں اپنے تبصروں کے ساتھ پیش کرتے ہیں جو قاری کو گمراہ کرتے ہیں!

58 مطنبی کا گھر ایک شعر سے ہے جس میں لکھا ہے:

کیونکہ روحوں کے بستر وں کو معلوم نہیں ہے ... میں نے اچانک دیکھا اور سوچا کہ میں ہتھیار ڈال رہا ہوں

ان شاء اللہ، میں ایک غیر جانبدار بحث کروں گا، جو کہ کسی بھی فرد - چاہے وہ کوئی بھی ہو - کی جانب تعصب یا عنصبيت سے آزاد ہو،

اور میری بعض ان واقعات کی پڑھائی سے یہ معلوم ہوا کہ ان کی سمجھ میں غلطی کا سبب یہ ہے کہ انہیں وقت، مقام، افراد، ان کے آنے والے اور گزشتہ حالات سے عاری ہو کر پڑھا گیا ہے، اور فعل کو رد عمل کے طور پر سمجھا گیا ہے! اور یہ سیاق سے کٹاؤ ممکن ہے کہ جان بوجھ کر ہو - حالانکہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایسا کرے - یا یہ نبی کی سیرت میں بصیرت کی کمی ہو سکتی ہے!

لہذا میں کچھ مثالوں اور ان کی وضاحت کو علمی انداز میں پیش کروں گا تاکہ قاری کو یہ سمجھنے میں مدد ملے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی ایسا عمل جو لوگوں کے خیال میں اس کی زندگی کے اعلیٰ اخلاقیات اور نیک صفات کے خلاف ہو، اس کی حقیقت کیا ہے۔ اور ان میں سے ایک غلط سمجھا جانے والا واقعہ: قافلہ قریش کی شام سے واپسی کا واقعہ ہے، جو غزوہ بدر کبریٰ کا سبب بنا۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ قریش کی ایک بڑی تجارت شام سے واپس آرہی ہے، اور وہ مدینہ کے قریب سے گزرے گی، اور اس کی کوئی حفاظت نہیں ہے! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت نکلی، جس کی تعداد چودہ سو سے تین سو (314) مردوں تک پہنچتی تھی، تاکہ اس اونٹوں پر قبضہ کیا جائے اور انہیں مدینہ واپس لے جایا جائے۔

اور بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ موقف ایک جارحانہ اقدام ہے، جو امن والے لوگوں کو خوفزدہ کرنا، اور غائبوں کے مال کو چوری کرنا ہے!۔ یہ وہ بات ہے جو اس واقعے کو ایک محدود نظر سے دیکھنے والے نے کہی! اور اس کی وجوہات اور محرکات کو نہیں دیکھا۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ مہاجرین نے مکہ چھوڑا تاکہ مشرکین انہیں عذاب، قتل اور دیگر طریقوں سے اپنے دین اور عقیدے سے پھیر نہ دیں۔ اور انہوں نے اپنے گھروں، اپنی زمینوں، اپنے مویشیوں، اپنی تجارت، اور ہر چیز کو چھوڑ دیا جو وہ اپنے ساتھ نہیں لے جاسکے!

اور سیرت ہمیں بتاتی ہے کہ مکمل خاندانوں نے مکہ میں اپنی جائداد چھوڑ دیا اور زبردستی وہاں سے نکل گئے! انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ دیا تاکہ وہ دوسروں کے مہمان بن سکیں! اور انہوں نے اپنی تجارت چھوڑ دی تاکہ وہ دوسروں کے لیے مزدور بن سکیں! یہ ساری دولتیں اور ثروتیں مکہ کے لوگوں نے اپنے متاع میں شامل کر لیں۔

اور یہ پہلی بار نہیں تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے ان لوٹی ہوئی دولتوں کو واپس لانے کی کوشش کی، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو قریش کی ہر تجارتی قافلے کے گزرنے پر ان کے حقوق اور مال واپس لینے کے لیے کئی بار بھیجا۔

ان تمام بھیجی جانے والی جماعتوں میں صرف مہاجرین ہی نکلتے تھے، اور ان کے ساتھ کوئی انصاری نہیں نکلتا تھا؛ کیونکہ مہاجرین ہی اس مال کے حقیقی مالک تھے، اور اس بار انصار بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، تاکہ قریش یا دیگر سے جنگ کے خطرے سے بچ سکیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حل کی طرف رجوع کیا کیونکہ پُر امن حل قریشیوں کے ساتھ مؤثر ثابت نہیں ہوئے، اور مہاجرین قریش کے لوگ اپنے مال کو مکہ سے واپس لینے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

جب «صہیب بن سنان الرومی» اپنے مال اور تجارت کے ساتھ مکہ سے نکلنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ انہیں پکڑ لیا گیا اور ان کے نکلنے سے انکار کر دیا گیا! تو انہوں نے کہا: کیا تم نے سوچا اگر میں اپنے مال اور تجارت کو تمہارے لیے چھوڑ دوں، تو کیا تم مجھے اپنی مرضی کے مطابق جانے دیں گے؟! انہوں نے کہا: جی ہاں، تو انہوں

نے اپنا مال ان کے لیے چھوڑ دیا اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: «رَجَّحَ الْبَيْعُ أَبَا سَمْحَةَ»۔⁵⁹

لیکن سیدنا صہیب دوسروں کے ساتھ مہمان کی حیثیت سے رہے، حالانکہ اس کے پاس اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کافی مال تھا! کیسے وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کے بچے بھوکے سو رہے ہیں، اور دوسروں کے بچے اس کی محنت سے جمع کردہ حلال مال سے لذت دار کھانے کھا رہے ہیں؟! یہ سب اس لیے ہوا، کیونکہ انہوں نے ان کی رائے کی مخالفت کی اور اپنے لیے ایک الگ راستہ منتخب کیا۔

اور جان لو کہ اس ظلم کے جاری رہنے پر رضا مند ہونا، کمزوری اور ذلت کی علامت ہے، جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ نے قبول نہیں کیا۔ جو خود نخوت، شجاعت اور مردانگی کی مثال ہیں۔ اس لیے وہ اپنے مال کی واپسی کے لیے نکلے، یا کم از کم قریش کو ایک پیغام بھیجنے کے لیے، جس کے ذریعے وہ انہیں اپنی شجاعت اور اپنے حق کی بازیابی کے عزم کا احساس دلانا چاہتے تھے۔

میں اس بات کو اس جملے میں مختصر کر سکتا ہوں: «یہ موقف ایک ایسا رد عمل تھا جو ایسے عمل کے لیے واجب تھا جسے کوئی بھی صحیح عقل اور درست معاشرتی عرف قبول نہیں کر سکتا!» یہ موقف حق کا رد تھا، نہ کہ حق کا غصب تھا۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس پر آپ نے فرمایا: "اسے اندر بلا لو، یہ اپنی قوم کا بہت برا آدمی ہے"، یعنی: یہ شخص اس کی قوم میں بُری مثال ہے۔ جب وہ اندر آیا تو آپ نے اس کے ساتھ نرم گفتگو کی۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے اس کے بارے میں یہ کہا، پھر آپ نے اس کے ساتھ نرم گفتاری کیوں کی؟

آپ نے فرمایا: "اے عائشہ اللہ کے نزدیک ایک مرتبہ کے اعتبار سے وہ شخص سب سے برا ہے جسے لوگ اس کی بد خلقی کی وجہ سے چھوڑ دیں"۔⁶⁰

چنانچہ بعض لوگوں نے سمجھا کہ یہ غیبت اور منافقت ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبیدہ بن حصن کا ذکر اس کی عدم موجودگی میں کیا جو کہ اس کی ناپسندیدہ بات تھی، جبکہ اس کی موجودگی میں نرم گفتاری اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

اس موقف کی غلط فہمی کا باعث بھی غیر مکمل جائزہ اور معاملے کی طرفین کی بہتر شناخت کی عدم موجودگی ہے۔ عبیدہ بن حصن اپنی قبیلے کا بڑا سردار تھا، اور اس کے لوگ اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے اور اس کے منع کردہ امور سے رک جاتے تھے۔ اس کے ساتھ کسی بھی قسم کا تصادم معاشرے میں مہلک نتائج کا باعث بن سکتا تھا۔

اسی طرح، اس کی مذموم صفات کی عدم نشاندہی مستقبل میں اس کی ساتھ دوستی کے باعث مسائل میں مبتلا ہونے کا باعث بن سکتی تھی، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رہنما، قوم کے سربراہ، اور ریاست کے بانی تھے۔ اپنی قوم کو نصیحت نہ کرنا ان کے ساتھ دھوکہ دہی ہے۔

قاضی عیاض الجعفی المالکی نے کہا: "یہ شخص عبیدہ بن حصن ہے، اور وہ اُس وقت مسلمان نہیں ہوا تھا، حالانکہ اُس نے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اس کی حالت واضح کی جائے تاکہ لوگ اسے پہچان لیں اور جو لوگ اس کے بارے میں نہیں جانتے ہیں وہ اس کی طرف سے دھوکہ نہ کھائیں۔"

اس کی زندگی میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، اس کے اعمال نے اس کے کمزور ایمان کی طرف اشارہ کیا، اور وہ مرتدین کے ساتھ مرتد ہو گیا۔ اسے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس قیدی کی حیثیت سے لایا گیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'بئس أخو العشيرة'، یہ نبوت کی نشانی ہے کہ وہ اس کی جیسی حالت میں ظاہر ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نرم گفتگو اس کے اور اس جیسے لوگوں کو اسلام کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کی۔" (امام نووی، صحیح مسلم کی تشریح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا نصیحت کے طور پر تھا، تاکہ بیٹھے ہوئے لوگوں کو یہ خیال نہ ہو کہ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین میں سے تھا، اور وہ ایک دن مسلمانوں کے امور میں کچھ اختیار رکھ سکتا تھا۔ خاص طور پر یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت میں قوم کے سردار کو اسلام میں بھی قوم کا سردار ہی رہنے دیتے تھے، اور ان کی بادشاہت اور سربراہی کو نہیں چھینتے تھے۔ سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اسی اصول پر عمل کیا۔ انہوں نے کہا: "اللہ نے اسلام کو عزت عطا کی، تو جو چاہے ایمان لائے، اور جو چاہے کافر رہے۔" یعنی: "ہم صرف اہل ایمان کو ہی حکومت میں عہدہ دار بنائیں گے، چاہے وہ ایک حبشی غلام ہو، اور ہم کسی کے دل کو دولت کے ذریعے اسلام پر قائم نہیں رکھیں گے۔"

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ وہ انہیں اس کی حالت سے آگاہ کریں۔

حدیث کے راویوں نے اس بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سمجھ لیا، لہذا انہوں نے اس واقعے میں اس شخص کا نام کئی روایات میں ذکر کیا، جبکہ یہ ان کی عادت نہیں تھی! وہ اس کا ذکر اکثر اوقات بغیر نام کے کرتے تھے، جیسے: "ایک آدمی داخل ہوا، اور ایک آدمی آیا، اور ایک آدمی نے پوچھا،" بغیر اس کا نام بتائے تاکہ وہ لوگوں کے سامنے بے نقاب نہ ہو جائے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کی عادت تھی، کیونکہ وہ اکثر یہ کہا کرتے تھے: "کیا بات ہے کہ کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں اور ایسا کرتے ہیں؟"

اس خاص واقعہ میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح مقرر کیا جیسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھ گئے ہوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبردار کرنا چاہتے ہیں اور ان کے حکم کے بارے میں متنبہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لانے کا لالچ نہ کریں۔ لیکن اس واقعے میں، انہوں نے اس کا نام واضح کیا، جیسے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کو سمجھ لیا کہ آپ نے اس سے خبردار کرنا اور اس کے بارے میں لوگوں کی توجہ دلانا چاہتے تھے تاکہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی ملاقات اور اس کی قربت پر دھوکہ نہ کھائیں۔

جہاں تک یں حسن کی عینہ کا تعلق ہے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے قربت یا ان سے دوری کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا تعلق ان دونوں کے درمیان ہونے والے معاملے پر اثر انداز ہوگا۔ عبید بن حصن اسلام میں رغبت اور طمع کے ساتھ داخل ہوا، لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دل کو جیتنے کے لیے اس کی مدد کی، اور انہیں اپنے دین اور ان کے پیچھے موجود ہزاروں لوگوں کے لئے محفوظ رکھتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے غنائم میں سے اسے سواونٹ دیے، تاکہ اس کا دل جیتا جاسکے اور اسے اسلام سے محبت دلائی جاسکے، اور اس سے زیادہ کسی کو غنائم میں کچھ نہیں دیا گیا! یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس کی وجہ سے انصار میں احساسِ کمتری پیدا ہوا، کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقسیم کو سمجھ نہیں پائے کہ آپ عبید بن حصن کو نہیں، بلکہ اس کے پیچھے موجود لوگوں کو دیکھ رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں موجود انصار سے کہا: "کیا آپ لوگ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر واپس جائیں اور آپ رسول اللہ کے ساتھ اپنے خیموں کی طرف واپس جائیں؟"

جہاں تک اس سے نرم گفتاری اور چہرے پر مسکراہٹ کی بات ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عبید بن حصن ایک بدوی ہے جو مزاج میں سخت ہے اور اس کی بات چیت بھی سخت ہوتی ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے

ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش نہیں آتے - جیسا کہ آپ کا سب کے ساتھ معمول ہے - تو عیبیہ ایسی باتیں کرے گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہوں گی، یا پھر وہ اسلام سے پھر جائے گا، اور دونوں صورتوں میں نقصان ہی نقصان ہے!

اور صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیبیہ بن حصن کو بات چیت اور تعامل میں جس طرح کی باتیں کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور نہ ہی یہ اجازت دیتے تھے کہ وہ کسی مسلمان کو اپنے دین سے برگشتہ کرنے کا سبب بنے۔ تو اس کے ساتھ نرمی اور لطیف گفتگو کرنا ان فتنوں سے بچنے کے لئے تھا جو ممکنہ طور پر پیش آسکتے تھے۔

خلافت راشدہ کے دور میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، جب عیبیہ بن حصن ان کے پاس داخل ہوا، تو اس نے اپنے ساتھیوں کے سامنے ناپسندیدہ طریقے سے بات کی، جس سے لوگوں کے سامنے ان کی عظمت متاثر ہو سکتی تھی! سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عیبیہ بن حصن سے انتقام لینے کا ارادہ کیا تاکہ خلافت اور خلیفہ کی عظمت کو برقرار رکھ سکیں، نہ کہ اپنی ذاتی عظمت کے لئے۔ اگرچہ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک شخص - جو عیبیہ بن حصن کا بھتیجا تھا - نے انہیں سکون دلایا اور کہا: "اے امیر المؤمنین! اللہ عز وجل فرماتا ہے: ﴿اے محمد ﷺ﴾ عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرلو ﴿﴾ (الأعراف: 199)، اور یہ بے وقوفوں میں سے ایک ہے۔" اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غصہ ٹھنڈا ہو گیا کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کرنے والے تھے۔

اور یہاں سے حضرت عمر کو یہ سمجھ آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی نصیحت کے لئے اس کے پیچھے بات کی، اور غنائم کی تقسیم میں ظلم سے خود کو بری کرنے کے لئے، اور ان کے دلوں کو جیتنے کے لئے نرم گفتگو کی، تاکہ وہ اور ان کے ساتھ موجود مسلمان محفوظ رہیں، اور ایسے فتنوں کو ختم کریں جو بڑی بڑی ریاستوں کو متاثر کر سکتے تھے، خاص طور پر ایک نئی ریاست جو ابھی تک زیر تعمیر تھی۔

اور بعض لوگوں نے کچھ احادیث کا غلط سمجھا اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قوم پرستی کا نام دے دیا! جیسے کہ آپ نے فرمایا: (قریش کو آگے رکھو اور انہیں آگے نہ بڑھنے دو)⁶¹، حالانکہ انہوں نے اپنے ابتدائی دعوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اور انہوں نے ان کے ساتھ طاقت کے ذریعے ہی مسالمت کی، لیکن پھر بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو قریش سے زیادہ حق دار تھے کہ انہیں مقدم رکھا جائے!

اگر ان لوگوں کو اس کی وجہ کا علم ہوتا تو وہ دل و جان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جاتے۔ درحقیقت، یہ تقدیم صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لئے مخصوص نہیں کیا، بلکہ وہ ہر اس شخص کو مقدم رکھتے تھے جسے لوگ جاہلیت میں مقدم رکھتے تھے، اور فرمایا: (آپ کے بہترین لوگ جاہلیت میں بہترین تھے، اگر وہ اسلام میں سمجھ بوجھ حاصل کر لیں)⁶²، اور جب بھی کوئی امیر اسلام قبول کرتا، تو اسے اس کی امارت میں باقی رکھتے، یا اگر کوئی بادشاہ اسلام قبول کرتا، تو اسے اس کی بادشاہت میں چھوڑ دیتے۔

قریش کو جاہلیت میں جو مقام حاصل تھا، وہ بے مثال تھا، اور عرب کے لوگ کبھی بھی کسی بھی معاملے میں ان سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ قریش کی خدمات اور خانہ کعبہ کی حفاظت کی وجہ سے انہیں عرب میں خاص مقام حاصل تھا۔

اسلام کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ معاشرتی توازن کو الٹ دے، بلکہ اس کی کوشش یہ تھی کہ وہ اسے درست کرے۔ اس نے معاملات کو ویسا ہی رہنے دیا تاکہ کچھ لوگ اسلام کو اپنی ذاتی دشمنیوں کا موقع نہ بنائیں، یا ان کی توہین نہ کریں جو کبھی ان کے رہنما تھے۔

61 مسند الشافعی 278، فضائل الصحابة، امام احمد (1066)، السنہ، ابن ابی حاتم (1519)، والبرزاز فی البحر الزخار (465)، شعب الایمان، اللیبیقی (1490)، معرفۃ السنن والآثار (217)۔

62 صحیح البخاری (3374)، (4689)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کو حق داروں کو واپس کیا، اور انہیں ان کی موجودہ حیثیت میں چھوڑ دیا۔ اسلام انسان کو بلند کرتا ہے اور اس کے مقام کو بڑھاتا ہے، اور وہ حقوق کو واپس کرتا ہے بلکہ ان میں اضافہ کرتا ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں پر کبھی بھی شر لا کر نہیں دیتا، اور نہ ہی یہ محسوس کرواتا ہے کہ جو حالت وہ پہلے تھے، وہ اس سے بہتر تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا یہ اس کی تعامل کی قاعدہ کا اطلاق تھا، نہ کہ اپنے لوگوں کو اس مقام پر رکھنا جس کا وہ حق نہیں رکھتے تھے۔

آئیے ایک آخری مثال لیتے ہیں جو بعض قارئین کو پڑھتے وقت پریشان کن لگتی ہے، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلط سوچتے ہیں۔

یہ ایک حدیث ہے جو امام ابوداؤد نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا: جب فتح مکہ ہوا، تو عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس پناہ لی، پھر عثمان انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے آئے اور کہا: "اے رسول اللہ! عبد اللہ سے بیعت لے لیں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ان کی طرف دیکھا اور ہر بار ان کی بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ پھر تین دن بعد انہوں نے بیعت لی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "کیا تم میں کوئی سمجھدار آدمی نہیں تھا جو اس وقت میرے پاس آکر اس شخص کو قتل کرتا جب میں نے اس کے بیعت کرنے سے ہاتھ روک لیا تھا؟"

صحابہ نے جواب دیا: "اے رسول اللہ! ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ کے دل میں کیا ہے۔ کیا آپ نے ہمیں آنکھوں سے اشارہ نہیں کیا؟"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ مناسب نہیں کہ کسی نبی کی آنکھوں میں خیانت ہو"۔⁶³

یہ اقتباس اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو شخص اس متن کو صرف سطحی طور پر پڑھے گا، اس کے ذہن میں مختلف خیالات اور شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو بیعت کے لیے پیش کیا، اس کے بارے میں ایسا رویہ اختیار کیا کہ وہ اس کا خون بہانے کی دعا کرتے تھے۔

یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ "کاش! کوئی صحابی اس کو قتل کر دے" اس بات کا اشارہ ہے کہ انہوں نے اس شخص کی نیت کو جانچتے ہوئے اس کی غیر مناسب حرکت کو دیکھا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیں ان نصوص کو ان کے سیاق و سباق میں پڑھنا چاہیے، تاکہ ہم اس بات کو سمجھ سکیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کا پس منظر کیا تھا۔

صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو تعامل دیکھا، اس کے برعکس یہ واقعہ ایک خاص صورت حال کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگرچہ عبد اللہ بن ابی السرح نے بیعت کی تھی اور کچھ وقت تک مسلمان رہے، مگر انہوں نے پھر اپنی سابقہ حالت میں واپس لوٹ کر کفر کی راہ اختیار کی۔

یہ معاملہ اس لحاظ سے سنگین تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک خاص مقام دیا تھا، انہیں وحی لکھنے والوں میں شامل کیا، اور پھر وہ اپنی ایمان کی حالت کو چھوڑ کر کفر کی طرف واپس چلے گئے۔ اس کے نتیجے میں یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اس قدر سنگین ہو گیا کہ انہوں نے ان کی زندگی کا خاتمہ کرنے کا ارادہ کیا، کیونکہ یہ صرف ایک عام گناہ نہیں تھا، بلکہ یہ ان کی ذمہ داریوں سے پھر جانے کا سنگین عمل تھا۔

63 مصنف ابن ابی شیبہ (38068)، سنن ابی داؤد (2683)، سنن النسائی (4067)، المستدرک علی الصحیحین، الحاکم (4360)۔

عبداللہ بن ابی السرح نے اپنی حیثیت کا غلط استعمال کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالیں، اپنے ایمان کو اپنے ذاتی مفادات کے لیے بیچ دیا، اور اپنے سابقہ اسلام کے بعد جب وہ کفر کی طرف لوٹ گیا تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کیں۔ اس نے یہ افواہیں پھیلائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو اپنی مرضی سے تحریر کرتے ہیں اور یہ کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے الفاظ ترتیب دینے میں مدد دی۔

یہ سب کچھ اس کے گھناؤنے کردار کی عکاسی کرتا ہے، جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سخت رد عمل سامنے آیا۔ کیونکہ یہ صرف ایک شخص کا ایمان نہیں تھا، بلکہ اس کے افعال کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان انتشار پھیل سکتا تھا۔ اس نے کئی لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے بھی روکا، جو کہ اس کی سب سے بڑی خیانت تھی۔

پھر اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کرتا تو کون گارنٹی دے سکتا تھا کہ وہ اپنے سابقہ اعمال کا اعادہ نہیں کرے گا؟ اس بار تو اس کے اسلام کا سبب اس کی جان کا خوف ہوگا، نہ کہ سچے دل سے ایمان لانا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت موقف اس صورت حال میں بہت واضح اور مناسب تھا، تاکہ مسلمانوں کی حفاظت کی جا سکے اور کسی بھی طرح کی داخلی خطرات سے بچا جاسکے۔

اس اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن ابی السرح کی جرائم اور خیانتیں اس کے لیے سزا کی طلبگار تھیں۔ اس نے اپنی ریاست کے خلاف بغاوت کی اور دشمنوں کے ساتھ مل کر سازشیں کیں، جو کہ ہر دور میں غداری اور خیانت کے زمرے میں آتا ہے۔

اس کی صورت حال موجودہ دور کے "خیانتہ عظمیٰ" کے مترادف ہے، جس کی سزا اکثر قوانین بین الاقوامی میں موت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عبداللہ بن ابی السرح کے سامنے آکر اس کی حفاظت

کا مطالبہ سنا، تو انہوں نے اسے امان دینے میں تذبذب کا شکار ہو گئے، کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں ان کی ریاست کی سلامتی کا سوال تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ صحابہ میں سے کوئی بھی اس کا قتل نہیں کرے گا، لیکن انہوں نے ایک قانون بنانا چاہا تاکہ غداری کے خلاف ایک مضبوط پیغام بھیجا جاسکے۔ انہوں نے یہ بھی جان لیا کہ اس طرح کے معاملات میں ایک اصولی قانون کی ضرورت ہے، کہ "عظیم خیانت کا نتیجہ ہمیشہ موت ہی ہوتا ہے۔"

یہ اقتباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو اور ان کی رحمت کی وضاحت کرتا ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی السرح کے ساتھ جو عفو ہوا، وہ ایک نبوی عفو تھا، نہ کہ ایک سیاسی یا بادشاہی معافی۔ عبد اللہ نے صرف امان نہیں مانگی، بلکہ اسلام بھی قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس عفو کے پیچھے ایک بڑی حکمت یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قانون وضع کیا، جو اس کے سابقہ اقدامات کو دہرائے جانے سے روکتا تھا، تاکہ وہ اپنی زندگی میں کبھی بھی دوبارہ ایسے خیانت کے کام نہ کرے۔

یہاں جو چار مثالیں دی گئی ہیں، وہ ان لوگوں کے لیے کافی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ حرکات یا اقوال کو غلط سمجھتے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اکثر غلط فہمیاں ایک محدود سوچ اور سیاق و سباق کی عدم موجودگی کی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔

فرانسیسی اسکالر (سادیو لوئس) کہتے ہیں: "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربوں کے نبی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے نبی ہیں۔ انہوں نے ایسا دین پیش کیا جو صرف عربوں کے لیے نہیں تھا بلکہ عالم انسانیت کے لیے تھا۔ ان کی تعلیمات ان کی عظمت اور اخلاق کی گواہی دیتی ہیں، اور ہمیں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو دنیا کے لیے آپ کی طرح رہنمائی کریں۔"

باب دوم: (سماجی تعلقات)

فصل اول: (سماجی تعلقات کا محور اور اس کا بنیادی اصول)

جب آپ کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو لوگوں میں محبوب اور اپنے تعلقات میں کامیاب ہے، تو آپ کو وہ شخص سخی نظر آئے گا، جو دیتا ہے اور لینے کی توقع نہیں رکھتا۔ اور میرے اس عطا کرنے سے مراد صرف پیسوں اور چیزوں کا عطا کرنا نہیں ہے، بلکہ ہر اس چیز کا عطا کرنا ہے جسے انسان دوسروں کے ساتھ بخل کرتا ہے: جیسے کہ تم اس شخص سے محبت کرتے ہو جو تم سے نفرت کرتا ہے، اور اس کو ملاتے ہو جو تم کو چھوڑ دیتا ہے، اور اس کو دیتا ہو جو تم سے محروم رکھتا ہے...

یہ اصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر اپنے حسین اور نرم الفاظ میں بیان کیا: جب آپ نے فرمایا: «لوگوں کے ہاتھوں میں جو ہے اس کی محبت کو ترک کرو؛ لوگ تم سے محبت کریں گے»⁶⁴، اور آپ نے اسے اس وقت بھی تسلیم کیا جب آپ نے فرمایا: «ایک دوسرے کو تحفے دو، تم ایک دوسرے سے محبت کرو گے»⁶⁵، اور آپ نے اسے اس وقت بھی تسلیم کیا جب آپ نے فرمایا: «اصل میں رشتہ دار وہ نہیں ہوتا جو بدلے میں دیتا ہے، بلکہ رشتہ دار وہ ہے جو اگر اس کے رشتہ داروں نے اسے چھوڑ دیا تو وہ انہیں ملاتا ہے»⁶⁶۔

یعنی: جو شخص اپنے رشتہ داروں کی زیارت کرتا ہے، حالانکہ وہ اس کی زیارت نہیں کرتے، اس کا اجر اس سے زیادہ ہے جو ان کی زیارت کرتا ہے اور وہ بھی اسے ملتے ہیں۔

64 سنن ابن ماجہ (4102)، المعجم الکبیر، الطبرانی (5972)، المستدرک علی الصحیحین، الحاکم (7873) میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: 'اے رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتائیں کہ اگر میں اسے کروں تو اللہ مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'دنیا میں زہد اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور لوگوں کی چیزوں میں زہد اختیار کرو، لوگ تم سے محبت کریں گے۔'

65 اسے امام مالک رحمہ اللہ نے ابو مصعب زمہری (1896ء) کی روایت سے عطاء بن عبد اللہ خراسانی سے روایت کیا ہے۔

66 صحیح البخاری (5645)، الأدب المفرد، البخاری (68)، سنن ابی داؤد (1697)، سنن الترمذی (1908)۔

آپ نے اس کی بھی تصدیق کی جب آپ کے پاس ایک سائل آیا اور آپ نے اسے بہت ساری بکریاں دیں، تو وہ آدمی اپنی قوم کے پاس واپس گیا اور کہا: "محمد ایسا عطا کرتا ہے جیسے اسے غربت کا خوف نہیں!" اور دوسرے نے کہا: "میں تمہارے پاس سب لوگوں کے بہترین آدمی سے آیا ہوں۔"

آپ نے اس کی بھی تصدیق کی جب آپ کے پاس ایک سائل آیا، اور آپ کے پاس کچھ دینے کے لیے نہیں تھا، تو آپ نے اس سے نرمی سے معذرت کی اور پھر کہا: «میرے لیے کچھ خریدو، جب بھی مجھے کچھ ملے گا، میں تمہیں دوں گا۔»⁶⁷

یعنی: بازار جاؤ اور جو چاہو خرید لو، میں اس کی قیمت دوں گا۔" تو سیدنا عمر نے کہا: "یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو اس سے زیادہ کی تکلیف نہیں دی!" تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ان کے چہرے پر غصے کا اثر ظاہر ہوا۔ پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: ⁶⁸ "اے رسول اللہ! خرچ کریں اور عرش والے سے کمی کا خوف نہ کریں!" تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ روشن ہو گیا اور فرمایا: "اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔"

اور آپ اپنے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے: "جو بھی خیر میرے پاس ہو، میں اسے تم سے نہیں روکوں گا۔"⁶⁹ اور جب انسان فراخ دل ہو، تو وہ لوگوں کی محبت اور دوستی حاصل کرے گا۔

67 الشامل، الترمذی (355)، مکالم الأخلاق، ابن ابی الدنیا (390) میں عمر بن خطاب سے روایت۔ منجھلی حدیث۔

68 ایک روایت میں: "انصار کے ایک آدمی نے کہا..."

69 صحیح البخاری (1400)، صحیح مسلم (1053) میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرتے رہے، تو آپ نے انہیں دیا، پھر دوبارہ سوال کیا تو آپ نے انہیں اور دیا، یہاں تک کہ آپ کے پاس جو کچھ تھا وہ ختم ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا: 'جو چیز بھی میرے پاس خیر ہے، میں اسے تم سے نہیں روکتا، اور جو شخص عفت اختیار کرے، اللہ اسے عقیف بنائے گا، اور جو شخص غنی ہونا چاہے، اللہ اسے غنی کرے گا، اور جو شخص صبر کرے، اللہ اسے صبر دے گا، اور کسی کو بھی صبر سے بہتر اور زیادہ وسیع عطیہ نہیں دیا گیا۔'

ایک آدمی بصریٰ میں داخل ہوا اور اس نے شہر کے سردار کے بارے میں پوچھا، تو لوگوں نے کہا: "یہ حسن بن ابی الحسن البصریٰ ہیں۔" اس نے پوچھا: "یہ آپ کی سرداری کس چیز کی وجہ سے ہے؟" تو لوگوں نے جواب دیا: "یہ اس لیے کہ وہ لوگوں کی ضرورت سے بے نیاز ہیں، جبکہ لوگ ان کی طرف محتاج ہیں۔"

اور نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی تشکیل، دونوں معنوی اور مادی طور پر، ہر حالت میں ہوئی، جس کے نتیجے میں ان کے تمام سماجی تعلقات میں شاندار کامیابی حاصل ہوئی، یہاں تک کہ ان کے دشمنوں کے ساتھ بھی، جنہوں نے انہیں تکلیف دینے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا۔

وہ لوگوں سے محبت کرتے تھے اور ان کی محبت کا انتظار نہیں کرتے تھے، انہیں دیتے تھے اور ان کے عطاء کا انتظار نہیں کرتے تھے، اور ان کے لیے خیر کی امید رکھتے تھے، چاہے ان کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔ اسی طرح انہوں نے اپنے صحابہ اور اہل بیت کی تربیت کی۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو گالی دی، تو سیدنا عبد اللہ نے اس سے کہا: کیا تم مجھے گالی دیتے ہو جبکہ میرے اندر تین خوبیاں ہیں — یعنی ایسی تین خصوصیات جو مجھے معاشرے میں نیک لوگوں میں شمار کرتی ہیں جن کی ایذاء و سب حرام ہے!

پھر انہوں نے کہا: میں نے مسلمانوں کی سرزمین پر بارش کی خبر سنی تو میں ان کے لیے خوش ہوتا ہوں، حالانکہ میرا اس میں کوئی کھیت یا مویشی نہیں ہے۔ میں نے کسی مسلمان ملک میں انصاف کرنے والے قاضی کی خبر سنی تو میں خوش ہوتا ہوں، حالانکہ مجھے اس کے پاس کبھی جانا نہیں پڑتا۔ میں قرآن کی ایک آیت پڑھتا ہوں تو جو کچھ سمجھتا ہوں، اس کے بارے میں یہ خواہش رکھتا ہوں کہ کاش تمام مسلمان بھی اس آیت کو ویسے ہی سمجھیں جیسے میں نے سمجھا۔"

اب ہم سیدنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جائیں گے تاکہ دیکھیں کہ آپ کی اپنے ارد گرد کے لوگوں کے ساتھ کیسی تعلقات تھے۔

* * *

فصل دوم: (اولاد اور نواسوں کے ساتھ تعلق)

میں اس فصل میں اس محبت کی بڑائی نہیں کرنا چاہتا جو اللہ جل جلالہ نے والدین کے دلوں میں اپنے بچوں کے لیے رکھی ہے۔

اور میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے بچوں کے لیے محبت باقی لوگوں کے مقابلے میں زیادہ تھی۔

لیکن میں اس تعلق کو اس طرح بیان کر سکتا ہوں کہ یہ ایک ایسا تعلق ہے جو "نہ غالب آتا ہے اور نہ ہی غافل کرتا ہے"، یعنی محبت اور اچھی تربیت کے درمیان توازن کی صورت ہے، نہ تو محبت غالب آتی ہے اور نہ تربیت۔

یہ ایک ایسا تعلق ہے جو تمام طرفوں کے درمیان توازن برقرار رکھتا ہے، یہاں تک کہ کوئی ایک طرف دوسرے پر غالب نہیں آتا، چاہے ماحول کی وجوہات اس کی حمایت کریں، جیسے بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دینا۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچوں کا بچپن میں انتقال ہو گیا، لیکن یہ مساوات ان کی بیٹیوں کے ساتھ سلوک میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ بہت سے کمزور دل لوگ اگر بیٹے سے محروم رہ جائیں تو بیٹی کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں!

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹیوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ جیسا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گفتگو اور انداز میں فاطمہ سے زیادہ مشابہ نہیں

پایا۔ اور جب وہ ان کے پاس آئیں تو وہ ان کی طرف بڑھتے، ان کا خیر مقدم کرتے اور انہیں چومتے، اور انہیں اپنے پاس بٹھاتے»⁷⁰۔

اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: "فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے، پس جو اسے ناراض کرے، وہ مجھے ناراض کرتا ہے"⁷¹، اور جب آپ کسی کی آنکھوں میں اس محبت اور عزت کے بارے میں ناپسندیدگی دیکھتے تو فرماتے: "عورت کی عزت فقط شریف آدمی ہی کرتا ہے"⁷²۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی ایسی صورت حال سے تکلیف ہوتی تھی جس میں غیر متوازن ترجیح کی بو محسوس ہوتی۔ ایک بار ایک صحابی آپ کے پاس بیٹھا، تو آپ کا بیٹا اندر آیا اور اسے اپنی ران پر بٹھا لیا، پھر آپ کی بیٹی اندر آئی اور اسے زمین پر بیٹھنے پر مجبور کر دیا!

اگرچہ اس صحابی نے اپنی بیٹی سے بھی نرم لہجے میں بات کی اور اس کے ساتھ بھی نرمی برتی، لیکن یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کے لیے کافی نہ تھی۔ آپ نے اس کی طرف تنقیدی نظر سے دیکھا اور فرمایا: "کیا تم نے اسے دوسری ران پر نہیں بٹھایا؟" یعنی: کیا تم نے اسے اپنے بیٹے کے برابر بٹھانے کا خیال نہیں رکھا؟ پھر اس نے اپنی بیٹی کو دوسری ران پر بٹھا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اب تم نے انصاف کیا!"⁷³۔

70 الأدب المفرد، البخاری (971)، سنن ابی داود (5217)، سنن الترمذی (3872)، المستدرک علی الصحیحین، الحاکم (4732) عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا سے روایت۔

71 صحیح البخاری (3510)، (3556)، صحیح مسلم (2449) الْمُسَوِّرُ بْنُ فَرْمَةَ سے روایت۔

72 الأربعین، باب مناقب أمّات المؤمنین، ابن عساکر 109 میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہو، اور میں اپنے اہل کے لیے تم میں سب سے بہتر ہوں، اور عورتوں کی عزت فقط کریم لوگ ہی کرتے ہیں، اور ان کی بے عزتی فقط للئیم لوگ ہی کرتے ہیں'۔

73 (النفقة علی العیال) میں ابی الدنیا سے روایت - باب (الْعَدْلُ بَيْنَ الْأَوْلَادِ وَالْأَنْثَوِيَّةِ بَيْنَهُمْ) (36) النّحْنُ سے روایت۔

اور ممکن ہے کہ یہی واقعہ اور اس جیسے واقعات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر آمادہ کرتے تھے کہ آپ فرمائیں: "اپنے بچوں میں عطیہ دینے میں مساوات رکھو، اور اگر میں کسی کو ترجیح دینے پر مجبور ہوتا تو میں عورتوں کو مردوں پر ترجیح دیتا۔" ⁷⁴

اور صرف بیٹے اور بیٹیوں کے درمیان مساوات نہیں ہونی چاہیے، بلکہ مردوں کے درمیان بھی ہونی چاہیے۔ یہ درست نہیں ہے کہ آپ اپنے ایک بیٹے کو دوسرے بیٹے پر ترجیح دیں۔ یہ عمل خاص طور پر ان لوگوں میں عام ہے جو ایک سے زیادہ بیویوں کے ساتھ شادی کرتے ہیں، جہاں وہ اپنے ایک بیٹے کو دوسری بیوی کے بیٹے پر ترجیح دیتے ہیں۔

ایسا ہی ایک واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پیش آیا، جب صحابی جلیل بشیر بن سعد نے اپنے بیٹے نعمان کو دینے کے لیے ایک عطیہ کی گواہی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، جو کہ ایک باغ تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک ایسا سوال کیا جو صرف ایک مروت، شرافت، انسانیت اور امانت والے شخص کے ذہن میں آتا: "اے بشیر! کیا آپ نے اپنے دوسرے بیٹوں کو بھی اسی طرح کی عطیہ دی ہے؟"

بشر بن سعد نے جواب دیا: "نہیں، یا رسول اللہ!"

"تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'پھر مجھے گواہ نہ بناؤ، کیونکہ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔'" ⁷⁵

74 سنن سعید بن منصور (393) بخاری بن کثیر سے روایت، الحارث فی بغیۃ الباحث (454)، المعجم الکبیر، الطبرانی (11997) ابن عباس سے روایت۔

75 صحیح مسلم (1623)، البحر الزخار، البزار (3283)، سنن النسائی (3681)۔

یہاں مساوات کا مقصد خود نہیں ہے، بلکہ مقصد انصاف ہے۔ مساوات ہر حالت میں انصاف کی ضمانت نہیں دیتی؛ ممکن ہے کہ ایک بیٹے کا اپنے بھائیوں پر والد کے مال میں زائد حق ہو، جو اس کی محنت یا دیکھ بھال کی وجہ سے ہو۔

بچوں کے درمیان انصاف صرف مال اور چیزوں میں نہیں، بلکہ ہر چیز میں ہونا چاہیے، حتیٰ کہ نظر اور بوسہ میں بھی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ کرتے تھے۔ ایک دفعہ اقرع بن حابس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جب آپ ان دونوں کو بوسہ دے رہے تھے۔ انہوں نے حیرت سے کہا: کیا آپ اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہیں؟! اللہ کی قسم، میرے پاس تو دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو بھی بوسہ نہیں دیا! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اور میں تمہارے لیے کیا کروں، جبکہ اللہ نے تمہارے دل سے رحم نکال دیا ہے؟' ⁷⁶۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بچوں کے ساتھ تعلق محبت اور رحمت پر مبنی تھا، جیسا کہ آپ نے فرمایا: 'فاطمہ میری جگر کا ٹکڑا ہے، مجھے وہی چیزیں پریشان کرتی ہیں جو اسے پریشان کرتی ہیں۔' ⁷⁷، اور یہ تعلق اس کے دین سے منحرف نہیں کر سکتا، نہ ہی اس کے عقیدے پر غالب آ سکتا ہے، جیسا کہ آپ نے فرمایا:

76 صحیح البخاری (5997)، صحیح مسلم (2318) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت اقرع رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا کہ میرے دس لڑکے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جو مخلوق خدا پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

77 مسند الامام احمد (16123)، اس روایت میں: «فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے، جو اسے تکلیف دیتا ہے، وہ مجھے بھی تکلیف دیتا ہے» الترمذی میں (3869)، الآحاد والمثانی، ابن ابی عاصم (2957)، الکبیر، الطبرانی (277)، ابن ابی عاصم اور الطبرانی سے روایت: «اور جو چیز اسے غصہ دیتی ہے، وہ مجھے بھی غصہ دیتی ہے۔»۔

'خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی، تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔'⁷⁸ اور اس سے دور ہے۔ اللہ کی رحمت اور سلام ہو اس کے والد اور اس پر۔

اور اس تعلق کی وجہ سے یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی دعوت اور عقیدت کے مقصد سے دور ہو جائے، یا اپنے رب سے دور ہو جائے۔ اہل بیت نے اس کی تعریف کی کہ وہ ان کے ساتھ مزاح کرتا، گھر کے کاموں میں مدد کرتا، لیکن جب نماز کا وقت آتا تو ایسا نکلتا جیسے اس نے ان میں سے کسی کو نہیں جانتا۔⁷⁹

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تعلقات کے درمیان توازن قائم رکھتے تھے، آپ کو کسی ایک تعلق کی قیمت پر دوسرے تعلق کی قربانی دیتے ہوئے نہیں ملے گا، اور اس خاصیت کا ملنا انسانی طور پر نایاب ہے۔

یہ محض نظریاتی بات نہیں بلکہ حقیقت ہے جس کی گواہی واقعات اور حالات دیتے ہیں۔ یہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ نساء فاطمہ بنت سینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتی ہیں: آپ کے والد نے آپ کی والدہ سے ثیباً (یعنی جس کا پہلے نکاح ہو چکا تھا) شادی کی، اور مجھے بکراً (یعنی جس کا پہلے نکاح نہیں ہوا تھا) کیا۔'

سیدتنا الزہراء رضی اللہ عنہا نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا بلکہ سینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور انہیں سارا واقعہ سنایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: 'اے فاطمہ! ان سے کہو کہ میری والدہ نے میرے والد سے بکراً (یعنی جس کا پہلے نکاح نہیں ہوا تھا) شادی کی، اور تم نے ثیباً (یعنی جس کا پہلے نکاح ہو چکا تھا) کیا۔'

78 صحیح البخاری (3288)، صحیح مسلم (1688)۔

79 صحیح البخاری (644) میں اسود بن یزید نے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کیا کرتے تھے؟ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کام کیا کرتے تھے، پھر آپ جب اذان کی آواز سنتے تو باہر چلے جاتے تھے۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع سے بختِ نکلتے کا طریقہ نکالا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک مؤثر دلیل دی تاکہ وہ اپنے جواب میں ایک مضبوط موقف قائم کر سکیں، اور دونوں طرف سے یہ بات بغیر کسی فتح یا شکست کے ختم ہو گئی۔

وَأُو اور اس موقع سے بھی زیادہ واضح ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف اپنی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ، جب مسلمانوں نے غزوۂ بدر میں ان کے شوہر کو قید کر لیا تھا۔ انہوں نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے ایک سونے کی قلابہ بھیجی، جو انہوں نے اپنی والدہ ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے وراثت میں پائی تھی۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قلابہ کو دیکھا تو انہوں نے پہچان لیا، اور انہیں یہ دیکھ کر رنج ہوا، کیونکہ وہ اپنی بیٹی زینب کی نظر میں اس قلابہ کی اہمیت جانتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ غنائم میں سے اس قلابہ کو اپنے لیے رکھ لیتے اور اپنی بیٹی زینب کو واپس کر دیتے، لیکن ان کے دل میں امانت داری اور عدل کا جوش تھا۔ انہیں یہ بھی ممکن تھا کہ وہ زینب کے اسیر شوہر کو بغیر کسی فدیے کے آزاد کر دیں، لیکن یہ امانت اور عدل کے اعلیٰ معانی کی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور کبھی نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر (خدا) خیانت کریں۔ اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز (خدا کے روبرو) لا حاضر کرنی ہوگی۔ پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی﴾ (آل عمران: 161)

اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنی بیٹی زینب کے لیے خاص باپ کی محبت اور مسلمانوں کے لیے عمومی باپ کی محبت کا کشمکش چل رہی تھی، کہ اس قلابہ کا حق دار کون ہے؟ پھر انہوں نے اپنے صحابہ کی جانب محبت بھری نگاہ سے دیکھا اور فرمایا: 'اگر آپ لوگوں کو لگتا ہے کہ زینب کو اس کی قلابہ واپس کر دینا اور اس کے اسیر شوہر کو آزاد کر دینا چاہئے تو ایسا کریں پس انہوں نے اس معاملے کو ان کے حوالے کر دیا! اور ان کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا سے پیچھے رہ جائیں، لہذا انہوں نے

ان کی خواہش پوری کی، اور العاص بن الربیع کو آزاد کر دیا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی قلابہ واپس کر دی۔

چونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے بچوں کے ساتھ تعلقات کا ذکر کیا ہے، لہذا مجھے عمومی طور پر چھوٹے بچوں کے ساتھ ان کے تعلقات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ یہ اس موضوع سے متعلق ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے ساتھ محبت کا اظہار رحمت کے طور پر کیا ہے، جیسا کہ ان کے بیٹے سیدنا ابراہیم کی کہانی میں اور اسی طرح ان کے نواسے کی وفات کی کہانی میں جو ہم نے حال ہی میں ذکر کی تھی۔

وہ نماز کے دوران، جسے انہوں نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا، بچوں کے رونے کی آواز سنتے تھے، اور کہتے تھے: 'میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اسے لمبا کروں، لیکن جب میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو میں اپنی نماز میں تخفیف کرتا ہوں، تاکہ اس کی ماں پر بوجھ نہ بنوں۔'⁸⁰

اور وہ اس بچے سے مذاق کیا کرتے تھے جس کا پرندہ مر گیا تھا، اور کہتے تھے: 'اے ابو عمیر! نغیر کا کیا ہوا؟'⁸¹، اور سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر سوار ہوتے تھے جبکہ وہ سجدے میں ہوتے، اور وہ اس وقت تک نہیں اٹھتے جب تک کہ وہ نیچے نہ اتر جائیں۔

یہ بچپن کا مرحلہ اس بات کا متقاضی ہے کہ میں بچے کے ساتھ جڑوں، اس کی محبت جلیتوں، اور اس کے قریب رہوں، تاکہ میں اسے اس چیز کی تعلیم دے سکوں جو اسے اگلی مرحلے میں سیکھنی ہوگی، یعنی تعلیم کا مرحلہ۔ اس مرحلے میں سلوک نرمی سے رہنمائی کرنے کا ہوتا ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ کے بیٹے، عمر بن ابی سلمہ کے ساتھ کیا جب انہوں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ کھانے کے برتن میں ادھر ادھر چلا جا رہا ہے۔ تو آپ نے اسے فرمایا: 'اے لڑکے! اللہ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اس چیز سے کھاؤ

80 صحیح البخاری (675)، صحیح مسلم (470)۔

81 صحیح البخاری (5778) مسند ابن الجعد (1409)، مصنف ابن ابی شیبہ (4087)، مسند الامام احمد (12137)۔

جو تمہارے قریب ہو۔⁸² پھر وہ بچے کی محبت کی قدر کے مطابق اس کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں، اور اس مرحلے میں اس کی کمزوریوں پر سختی نہیں کرتے۔ جیسے کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس سال گزارے، تو آپ نے مجھ سے کبھی بھی 'اف' نہیں کہا، اور نہ ہی کبھی مجھ سے کہا: 'کیا تم نے یہ نہیں کیا؟' اور نہ ہی یہ کہا: 'تم نے یہ کیوں کیا؟'⁸³۔

اور وہ اس کی کمزوریوں پر سختی نہیں کرتے، بلکہ وہ اسے اپنی محبت کی قدر کے مطابق اقتداء کرنے کی اجازت دیتے ہیں، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کیا۔ آئیے، ان کی کہانی سنیں۔

وہ کہتے ہیں: "میں اپنی خالہ میمونہ کے یہاں رات گزار رہا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور ان کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تو آپ نے میرے سر کو پکڑا اور مجھے اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔"⁸⁴۔

یہ تربیت ہی ہے جس نے ذہین امام، علی بن ابی طالب، بہادر زید بن حارثہ، شجاع امیر عبد اللہ بن زبیر، تجربہ کار قائد اسامہ بن زید، اور عالم فہمی عبد اللہ بن عباس جیسے بہادر افراد کو جنم دیا، اور ان جیسے دوسرے ہیروز کو بھی، جن کی تربیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن سے ہی کی، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

* * *

82 صحیح البخاری (5061)، صحیح مسلم (2022)۔

83 الأدب المفرد، البخاری (277)، مصنف عبد الرزاق (17946)۔

84 مسند ابی داؤد الطیالسی (2754)۔

فصل سوم: (بیویوں کے ساتھ تعلقات)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کو دل میں اعلیٰ مقام عطا کرتے تھے اور ان کی خوشی اور ناراضگی کے مواقع کو خوب سمجھتے تھے۔ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کرتے تھے جیسے نبی اپنی قوم کے ساتھ کرتا ہے، بلکہ ایک مثالی شوہر کی طرح پیش آتے تھے، جس کی یہی مثالی شخصیت خواتین کے لیے باعث کشش تھی۔ ہم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اُس درخواستِ نکاح کو نہیں بھول سکتے، جو انہوں نے اُس وقت دی تھی جب آپ ﷺ پچیس برس کے تھے۔

تاریخ کے اوراق پلٹ کر ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اُس دور میں شوہروں کا اپنی بیویوں کے ساتھ برتاؤ کیسا تھا! اُس وقت عام طور پر بیوی کو گھر کے دیگر سامان کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ گھر سے باہر کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا، اور نہ ہی وہ خود کے لیے نفع یا نقصان کا کوئی اختیار رکھتی تھی۔ اس کا کوئی فیصلہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ خاندانی امور اور گھریلو معاملات کی رہنمائی میں اس کی کوئی رائے شمار نہیں کی جاتی تھی۔

اس کی واضح مثال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی زوجہ کے ساتھ موقف ہے، جب انہوں نے ان کے ایک فیصلے پر اعتراض کیا اور ان سے بحث کی، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حیرت سے کہا: "کیا تم مجھ سے بحث کر رہی ہو؟" تو ان کی زوجہ نے جواب دیا: "کیوں نہیں، حالانکہ آپ کی بیٹی حفصہ تو رسول اللہ ﷺ سے بھی بحث کر لیتی ہیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ دن بھر ان سے ناراض رہتے ہیں" ⁸⁵

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی زوجہ کے اس فعل پر حیرت ہوئی، کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے نہ تو اپنی بیوی سے اور نہ ہی کسی اور عورت سے اس طرح کی بات سنی تھی۔ لیکن یہ انقلاب دراصل اُس طرز عمل کا نتیجہ تھا جس کی قیادت خود نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی، اور یہ انقلاب بہت کامیاب ثابت ہوا۔ اُس وقت کے بعض

ممالک خواتین کی حیثیت پر بحث کے لیے کانفرنسیں منعقد کرتے تھے تاکہ یہ طے کر سکیں کہ عورت انسانیت کے قریب تر ہے یا حیوانیت کے۔

آج کے دور میں ہمیں ایک ایسے انقلاب کی ضرورت ہے جو معزز اور مخلص لوگوں کی قیادت میں ہو تاکہ معاشرے میں اخلاقی اور انسانی اقدار کی بحالی ہو سکے۔

نبی کریم ﷺ ہمیشہ اس بات سے بچتے تھے کہ اپنی بیویوں کو ایسی تکلیف دیں جو انہیں اندرونی طور پر توڑ دے، یا ایسا زخم لگا دیں جو محض معافی مانگنے سے بھر نہ سکے۔ اس میں بیوی کو ہاتھ سے مارنا بھی شامل ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی چیز کو ہاتھ سے نہیں مارا، نہ کسی عورت کو، اور نہ ہی کسی خادم کو۔" 86

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کو کسی بھی وجہ سے گھر سے نکلنے کے عمل سے اجتناب فرماتے تھے، تاکہ انہیں کمزوری یا توہین کا احساس نہ ہو۔ جب کبھی ناراضگی ہوتی، تو آپ خود گھر سے باہر چلے جاتے اور مسجد میں قیام فرماتے۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی ازواج مطہرات سے ناراضگی ظاہر کی اور ایک ماہ تک انہیں چھوڑ کر مسجد میں قیام فرمایا، اور اس دوران کسی بھی بیوی کے پاس تشریف نہیں لے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کی غیرت کو سمجھتے تھے اور ان کے غصے کے وقت ان کا خیال رکھتے تھے، اور فطری انسانی جذبات کی بنا پر ان سے ناراض نہیں ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں موجود تھے، کچھ صحابہ آپ کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ گفتگو کرنے

لگے۔ اس وقت ایک دوسری ام المؤمنین نے، یہ جانتے ہوئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہمان ہیں، ایک برتن مٹھائی سے بھر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے لیے بھیجا۔

جب یہ برتن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچا، اور انہیں معلوم ہوا کہ یہ کس کی طرف سے آیا ہے، تو انہوں نے غیرت کی شدت کی وجہ سے برتن توڑ دیا؛ کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے دن کا وقت تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے برتن توڑ دیا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کو دیکھا، لیکن نہ تو ان کی طرف گئے کہ انہیں ماریں، اور نہ ہی انہیں برا بھلا کہا یا باتوں سے ان کا دل دکھایا۔ یہ رویہ تمام شوہروں کے لیے ایک سبق ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے غصے کو اپنی مسکراہٹ سے جذب کر لیا جو آپ کے مبارک لبوں پر ظاہر ہوئی، اور وہاں موجود لوگوں کے غصے کو بھی ٹھنڈا کیا، جنہوں نے کبھی اپنی بیویوں سے ایسا عمل نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی ان کی بیویاں ایسے رد عمل کا تجربہ کر چکی تھیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کھڑے ہو کر اس برتن میں بکھری ہوئی مٹھائی کو جمع کرنے لگے اور ان لوگوں سے کہا: "تمہاری ماں کو غیرت آگئی ہے۔" ⁸⁷ یعنی: انہوں نے جو کچھ بھی کیا، وہ ان کی شدید غیرت کی وجہ سے کیا، اور اس عمل کا محرک وہ فطرت تھی جس پر وہ پیدا کی گئی تھیں، اس لیے ان کے رد عمل میں نرمی برتنا ضروری تھا۔ واقعہ بغیر کسی پریشانی کے گزر گیا، اور ایسا لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی کو اس بات پر نہیں پکڑا جو اللہ نے اس کی فطرت میں رکھا تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے اور دعا کرتے تھے۔

جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعا کی کہ اللہ ان کی غیرت کو دور کرے، جب آپ نے ان کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان سے نکاح کا ارادہ کیا تو انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا: "یا رسول اللہ! میں ایک بوڑھی عورت ہوں، میرے بچے بھی ہیں، اور میں بہت زیادہ غیرت مند ہوں!" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "جہاں تک عمر کا تعلق ہے تو میں تم سے بڑا ہوں، اور جہاں تک تمہارے بچوں کا تعلق ہے، تو میں انہیں اپنی سرپرستی میں لے لوں گا، اور جہاں تک غیرت کا تعلق ہے تو میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ اسے تم سے دور کر دے۔"⁸⁸

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے مشورہ لیتے اور بہت سے معاملات میں ان کی رائے قبول کرتے، یہاں تک کہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے معاملات میں بھی! بلکہ جنگ اور ریاست کے معاملات میں بھی ان کی مشاورت کو اہمیت دیتے تھے! اس کی بہترین مثال صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رائے کو قبول کرنا ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں مشرکین نے ان کا راستہ روکا اور دونوں کے درمیان مذاکرات کے بعد ایک معاہدہ طے پایا، جس کی کچھ شرائط مسلمانوں کے حق میں غیر منصفانہ تھیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل کی دوراندیشی اور امن کی خاطر ان شرائط کو قبول کیا۔ تاہم، صحابہ کرام ان شرائط سے متفق نہیں تھے، اور ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی مدینہ واپس جائیں اور اگلے سال عمرہ کریں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے سروں کو منڈوا کر احرام سے باہر آجائیں تو صحابہ کچھ دیر کے لیے انتظار میں رہے کہ شاید عمرہ کی کوئی نئی صورت پیدا ہو جائے اور وہ اس سال عمرہ ادا کر

سکلیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر ان کے چہرے پر اداسی دیکھی، تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کیوں پریشان ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے تاخیر سے حکم کی تعمیل کرنے کی شکایت کی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیا کہ اگر آپ باہر نکل کر خود اپنے سر کے بال منڈوا دیں تو صحابہ بھی آپ کی پیروی کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے پر عمل کیا، اور جب آپ نے بال منڈوائے تو صحابہ نے بھی فوراً اپنے بال منڈوا دیے۔

یہ تمام واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ کس قدر محبت و شفقت کرتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے، اور ان کی انسانیت کو تسلیم کرتے تھے۔ آپ ان کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے، ان کے ساتھ کھیلتے، اور گھریلو کاموں میں ان کی کوتاہیوں پر ان سے باز پرس نہ کرتے، چاہے وہ کام آپ کے کھانے پینے سے متعلق ہی کیوں نہ ہو! اگر صبح کے وقت پوچھتے: "کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کے لیے ہے؟" اور وہ جواب دیتیں: "نہیں"، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: "پھر میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔" 89

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ازواج مطہرات کے جذبات کا بہت احترام کرتے تھے اور ان پر بڑا اعتماد رکھتے تھے۔ آپ ان کے پاس اس طرح داخل نہیں ہوتے تھے جیسے دل میں شک رکھنے والا شخص کرتا ہے۔ جب آپ سفر سے واپس مدینہ آتے اور رات کا وقت ہوتا تو آپ شہر کے باہر رات گزار لیتے اور رات کے وقت اپنے گھر نہیں آتے تھے، تاکہ ازواج مطہرات کو اس حالت میں نہ دیکھیں جو ان کے لیے نامناسب ہو۔ آپ انہیں موقع دیتے کہ وہ خود کو درست کر سکیں اور آپ سے ملاقات کے لیے تیار ہو جائیں۔

چونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج کے ساتھ رویہ بیان کیا، تو یہاں آپ کا خواتین کے ساتھ عمومی برتاؤ بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے عورتوں کے

لیے ایک خاص دن مقرر کیا جس دن وہ انہیں عزت دیتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ایک عورت، جسے اپنے حق کی طلب میں شرم نہیں آئی، نے کہا: "یا رسول اللہ! مردوں نے ہم پر غالب آکر آپ کا وقت لے لیا ہے، تو ہمارے لیے بھی اپنا ایک دن مقرر کریں۔" چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک دن مقرر کیا جس دن آپ ان سے ملاقات کرتے تھے۔⁹⁰ بعض روایات میں ذکر ملتا ہے کہ یہ خاص دن جمعرات کو ہوتا تھا۔

اس دن بیٹیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پکڑ کر انہیں شہر کی گلیوں میں لے جاتی تھیں تاکہ وہ ان کی حاجت پوری کر سکیں۔⁹¹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹیوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: "بیٹیوں سے نفرت نہ کرو، کیونکہ وہ محبوب اور دل کو بہلانے والی ہوتی ہیں۔"،⁹² آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں فرمایا: "عورتوں کے بارے میں اچھی نصیحت کرو۔"⁹³

میں یہاں اسلام کے ذریعے خواتین کی عزت و احترام کے بارے میں بات نہیں کر رہا ہوں، کیونکہ یہ کتاب کا موضوع نہیں ہے، بلکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں خواتین کے مقام پر گفتگو کر رہا ہوں۔

میں یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جو عزت و احترام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے لیے دل میں رکھی، وہ اس سے کہیں زیادہ تھی جو انہوں نے ظاہری طور پر ظاہر کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کا معاشرہ اور خواتین کے بارے میں اس کے خیالات اچھی طرح سے معلوم ہیں، اور وہ اس سے زیادہ عزت و احترام قبول نہیں کر سکتا تھا!

90 صحیح البخاری (101) میں ابو سعید خدری سے روایت۔

91 صحیح البخاری (5724) میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ امت اہل مدینہ کے غلاموں میں سے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہے لے جائے۔

92 مسند الامام احمد (17373)، ابن ابی الدنیا، (النفقۃ علی العیال) میں (97)، المعجم الکبیر، الطبرانی (856) عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ سے روایت۔

93 صحیح مسلم (1468) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی تعمیر نو کو اس خوف سے چھوڑ دیا کہ لوگ اسے ناپسند کریں گے اور ان کا اسلام سے پھیر جانا ممکن ہے، کیونکہ وہ ابھی حال ہی میں اسلام لائے تھے۔

لیکن آپ نے خواتین کے لیے اپنی عزت و احترام کا اظہار ایک جملے میں کیا، جو ہر انسان کو اس کی انسانیت کے مطابق اپنی جگہ عطا کرتا ہے، اور فرمایا: "عورت کی عزت صرف وہی شخص کرتا ہے جو خود عزت والا ہو۔"⁹⁴

* * *

94 اربعین، باب (مناقب المؤمنین)، ابن عساکر 109 میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہو، اور میں اپنے اہل کے لیے تم میں سب سے بہتر ہوں، اور عورتوں کی عزت فقط کریم لوگ ہی کرتے ہیں، اور ان کی بے عزتی فقط لئیم لوگ ہی کرتے ہیں۔'

فصل چہارم: قریبی رشتہ داروں کے ساتھ تعلق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی شخص کے ساتھ تعلق اس کے برتاؤ پر منحصر نہیں تھا، بلکہ آپ اس کو بھی عطا فرماتے تھے جس نے آپ کو محروم کیا، اس کو معاف کر دیتے تھے جس نے آپ پر ظلم کیا، اور اس سے رشتہ جوڑتے تھے جس نے آپ سے رشتہ توڑا۔ آپ فرماتے تھے: "رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو بدلے میں رشتہ جوڑے، بلکہ حقیقی رشتہ جوڑنے والا وہ ہے جو جب اس کا رشتہ توڑا جائے تو وہ اسے جوڑ دے۔" ⁹⁵

غزوہ بدر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا عباس کی زنجیروں میں کراہنے کی آواز سے بے چین تھے اور سو نہیں سکے۔ آپ کے صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کیوں نہیں سو رہے؟ آپ نے فرمایا: "میں اپنے چچا عباس کی زنجیروں میں کراہنے کی آواز سن رہا ہوں۔" چنانچہ صحابہ نے انہیں آزاد کر دیا، جس کے بعد کراہنا بند ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام سے سو گئے۔ ⁹⁶

جب سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشرکین کی ہجو کرتے تھے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے تھے، تو نبی کریم انہیں حکم دیتے کہ وہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے لیں؛ کیونکہ وہ عرب کے نسب کو جاننے والے تھے، تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قریبی رشتہ دار کی ہجو نہ ہو جائے۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کوئی اپنے رشتہ داروں سے محبت کرے، ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے اور وہ بھی اس کے ساتھ کریں، یا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے اور وہ اسے توڑ دیں۔ لیکن حقیقی تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ اسے دھوکہ دیں اور وہ پھر بھی ان کی مدد کرے، وہ اسے اس کے گھر سے نکال دیں اور وہ ان کے شہر کو ایک امن والا حرم بنا دے، جہاں کسی درخت کو کاٹنا بھی جائز نہ ہو، چہ جائیکہ کسی کو نقصان پہنچانا! وہ اسے حقیر سمجھیں اور کہیں: ﴿اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکہ اور طائف)

95 صحیح البخاری (5645)، الأدب المفرد، البخاری (68)، سنن ابی داؤد (1697)، سنن الترمذی (1908)۔

96 السنن الکبریٰ، اللیثی (18145) میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت۔

میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟ ﴿الزخرف: 31﴾، پھر بھی وہ ان کی عظمت بیان کرے اور کہے: "قریش کو مقدم کرو اور ان سے آگے نہ بڑھو" ⁹⁷۔ وہ اس کے منتخب ہونے کا انکار کریں اور وہ ان کے منتخب ہونے کو ثابت کرے، اور کہے: "بے شک اللہ نے کنانہ کو اولادِ اسماعیل میں سے چنا، قریش کو کنانہ میں سے چنا، بنی ہاشم کو قریش میں سے چنا، اور مجھے بنی ہاشم میں سے چنا۔ پس میں بہترین میں سے بہترین اور بہترین میں سے ہوں" ⁹⁸۔

اور وہ اس کے قتل پر اصرار کریں، پھر بھی وہ ان کی زندگی پر اصرار کرے۔ اور "جاؤ، تم سب آزاد ہو" کا دن ہم سے کچھ دور نہیں!

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف قریبی رشتہ داروں کو ہی عزت و اکرام سے نہیں نوازتے تھے، بلکہ دور کے رشتہ داروں کو بھی، چاہے رشتہ داری میں دور ہوں یا مقام کے اعتبار سے۔ آپ سیدنا سعد بن ابی وقاص کو، جو صرف سولہ سال کے تھے، بڑی عزت و احترام کے ساتھ بلاتے تھے اور اپنے صحابہ سے فرماتے: "یہ میرے ماموں ہیں، تو کوئی شخص مجھے اپنا ماموں دکھائے!" ⁹⁹ کیونکہ سیدنا سعد بن ابی وقاص کا تعلق بنو زہرہ سے تھا، جو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی، قبیلہ تھا۔

اور اس سے بھی بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو مصریوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی، کیونکہ آپ کی پردادی سیدہ ہاجرہ، سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ، مصری تھیں۔ آپ فرماتے

97 مسند الشافعی 278، فضائل الصحابة، الامام احمد (1066)، السنن، ابن ابی عاصم (1519)، البحر الزخار، البزار (465)، شعب الایمان، اللیثی (1490)، معرفۃ السنن والآثار (217)۔

98 صحیح مسلم (2276)۔

99 سنن الترمذی (3752)، المعجم الکبیر، الطبرانی (323)۔

تھے: "تم ایک ایسی زمین فتح کرو گے جہاں قیراط کا ذکر ہوتا ہے، تو اس کے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، کیونکہ ان کا ہمارے ساتھ عہد اور قرابت کا تعلق ہے۔" ¹⁰⁰

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو سعد کے تمام لوگوں کو عزت دیتے تھے، کیونکہ وہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ سے تھے، جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رشتہ داروں اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی ایک اور مثال یہ ہے کہ آپ ان کی مشکلات کو کم کرتے تھے اور ان کی مصیبتوں میں ان کی مدد کرتے تھے۔ آپ نے اپنے چچا ابو طالب پر بوجھ کم کرنے کے لیے ان کے بیٹے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی پرورش کی ذمہ داری سنبھال لی، کیونکہ ابو طالب کے اہل و عیال زیادہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو ان کے والد سے لے کر اپنے بچوں میں شامل کر لیا، وہی کھانا کھاتے جو آپ کے بچے کھاتے تھے اور وہی پانی پیتے تھے جو آپ کے بچے پیتے تھے، اور اس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عظیم عزت عطا کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ ان کے رشتہ داروں کے دلوں میں غم نہ ہو یا ان کی وجہ سے کسی دکھ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ غزوہ اُحد کے دن اس کی بہترین مثال موجود ہے، جب مشرکین نے آپ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے جسم کی بے حرمتی کی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر صفیہ (حمزہ کی بہن) کو دکھ نہ پہنچے تو میں انہیں اسی حالت میں چھوڑ دیتا، یہاں تک کہ اللہ انہیں پرندوں اور درندوں کے پیٹوں سے دوبارہ اٹھا دیتا۔" ¹⁰¹ اپنے چچا کے غم میں شدت کے عالم

100 صحیح مسلم (2543) میں ابوذر سے روایت۔

101 مصنف ابن ابی شیبہ (39515)، مسند الامام احمد (12300)، سنن الترمذی (1016)، المستدرک علی الصحیحین، الحاکم (4887) میں انس رضی

اللہ عنہ سے روایت۔

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "اے چچا! مجھے تم جیسا کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔" اس واقعہ کے متعلق سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ¹⁰²:

میری آنکھیں رو رہی ہیں، اور ان کا رونا حق ہے۔

اور نہ رونے سے کچھ حاصل ہوگا اور نہ ہی آہ و زاری سے۔

خدا کے شیر پر، اس دن جب کہا گیا:

'کیا یہی حمزہ ہے، وہ شخص جو مارا گیا؟'

مسلمانوں کو اس سے سب نے نقصان اٹھایا،

اور وہاں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی متاثر ہوئے۔

اے ابویعلیٰ! تیرے لیے زمینیں ہل گئیں،

اور تو ہی تو عظیم، نیک اور رشتہ داروں کے ساتھ برتاؤ کرنے والا ہے۔

یہ نرم دلی، بلکہ یہ مثالی رویہ اپنے اہل و اقارب کے ساتھ، ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا باعث بنتی ہے، چاہے یہ محبت دور دراز میں بھی ہو، اور ایک دن ان کی مسامت کو لازمی بنا دیتی ہے۔ انسان احسان کا غلام ہوتا ہے، اور معروف (نیکی) اس کے دل کو قید کر لیتی ہے، اور اسے اس نیکی کرنے والے کا تابع و فرمانبردار بنا دیتی ہے۔

یہی لطافت اور یہ احسان کی روش نے ان اہل و اقارب کو اس حالت سے نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اور کفار کہتے ہیں کہ اے شخص جس پر نصیحت (کی کتاب) نازل ہوئی ہے تُو تو دیوانہ ہے ﴾ (الحجر: 6) اور انہیں اس حالت میں پہنچا دیا: "ایک عزت دار بھائی، اور ایک عزت دار بھتیجا۔" ¹⁰³

لوگوں کے ساتھ پرامن طور پر رہنے اور ان کے درمیان سکون سے رہنے کے لئے آپ کو لین دین کرنے کا فن سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن آپ کو فوری طور پر علاج میں رول ماڈل، اور زندگی میں ایک مثالی کے لئے آپ کی تلاش کرنے کی ضرورت ہے، اور تم کامیاب ہو گئے، اگر آپ نے اس منفرد کردار (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتخاب کیا ہے۔

ڈاکٹر (شبریک) کہتے ہیں: "انسانیت کو محمد جیسے شخص کی اس سے وابستگی پر فخر ہے، کیونکہ وہ اپنی ناخواندگی کے باوجود قانون سازی کرنے میں کامیاب رہے کہ اگر ہم اس چوٹی پر پہنچتے ہیں تو ہم یورپی سب سے زیادہ خوش ہوں گے۔"

* * *

فصل پنجم: دوستوں کے ساتھ تعلق

حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کے ساتھ ہو

اور جو اپنی ذات کو نقصان پہنچا کر آپ کی مدد کرے،

اور جو جب زمانے کی مصیبتیں آپ کو توڑ دیں،

تو وہ آپ کی مدد کے لیے اپنی طاقت کو آپ پر نہچھاور کر دے¹⁰⁴

حقیقی دوست جو آپ کے ساتھ اپنے دل، زبان، احساس، اور تمام وجود کے ساتھ ہو، اور جو آپ کے دل کو خوشی دیتا ہے، اور آپ کے سامنے خوشیاں مناتا ہے، اور جو آپ کو نیکی کی طرف لے جاتا ہے، اور کبھی بھی آپ کو برائی کی طرف نہیں کھینچتا۔

اگرچہ بوجھ بھاری ہو اور مشاغل بہت ہوں، پھر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوستوں کے لیے بہترین دوست تھے۔

آپ اپنے گھر میں انہیں مدعو کرتے، وہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کرتے، آپ ان کی باتیں سنتے اور وہ آپ کی باتیں سنتے، آپ انہیں ہنساتے اور وہ آپ کو ہنساتے۔ آپ انہیں وقتاً فوقتاً ان کے گھروں میں بھی ملنے جاتے، اور ہر روز فجر کی نماز کے بعد ان کی حالت کی خبر لیتے، یہاں تک کہ آپ ان سے یہ بھی پوچھتے: کیا تم میں سے کسی نے آج کوئی خواب دیکھا؟"

ان کے درمیان ایک ہی روح کا رشتہ تھا، جو کسی معاملے میں نہ تو ایک دوسرے کی تصدیق کرتا تھا اور نہ ہی تکذیب، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے محسوسات کو محسوس کرتے تھے! کیا آپ نہیں

دیکھتے کہ جب آپ نے انہیں اس بھیڑے کی کہانی سنائی جو بات کر رہا تھا، تو انہوں نے کہا: 'سبحان اللہ! ایک بھیڑیابول رہا ہے!!' تو آپ نے فرمایا: 'میں اور ابو بکر و عمر اس پر ایمان رکھتے ہیں۔' ¹⁰⁵

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دوستوں کی بیماری یا شکایت کا احساس ہوتا تھا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ جب مدینہ واپس آئے اور شہر کی شدت گرمی سے متاثر ہو کر انہیں شدید بخار ہوا، جس کی وجہ سے وہ بربریت کی حالت میں تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: 'اے اللہ! ہمیں مدینہ کو ایسا محبوب بنادے جیسے ہم مکہ کو پسند کرتے ہیں، یا اس سے بھی زیادہ۔' ¹⁰⁶

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوستوں کی غیر موجودگی میں ان کی کمی محسوس کرتے تھے، اور ان کی محبت بھری نگاہیں ایک دوسرے کی طرف مچھتے تھے، چاہے وہ ان کے حق میں کوئی غلطی ہی کیوں نہ کر لیں، یا آپ کہہ سکتے ہیں: اپنے حق میں۔

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ تصویر کتنی خوبصورت ہے، جو غزوۂ تبوک میں بغیر کسی عذر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان سے بات نہ کریں یا ان کے ساتھ نہ بیٹھیں، جب تک اللہ ان کے بارے میں فیصلہ نہ کرے!

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نماز کے لیے مسجد نبوی جاتے اور واپس آتے، بغیر اس کے کہ کوئی ان سے بات کرے یا وہ کسی سے بات کریں! لیکن یہ بات ان کی فکر میں نہیں تھی، بلکہ ان کی اصل فکر یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھیں اور نبی بھی انہیں دیکھیں۔ وہ خود کہتے ہیں: 'جب میں نماز میں داخل ہوتا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھتے، اور میں سوچتا: کیا وہ میری طرف دیکھ رہے ہیں یا نہیں؟'

105 صحیح البخاری (3471)۔

106 امام مالک نے (الموطأ) میں ابو مصعب زہری کی روایت سے روایت کی (1858)، صحیح البخاری (3711)، صحیح مسلم (1376)۔

جب میں ان کی طرف دیکھتا تو وہ اپنا چہرہ مجھ سے پھیر لیتے، اور جب میں اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوتا، تو وہ میری طرف دیکھتے..."

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوست کعب بن مالک کی طرف دیکھتے، جیسے وہ ان کی گفتگو اور صحبت کی کمی محسوس کر رہے ہوں، مگر اس کا کوئی راستہ نہیں تھا، تو وہ اپنی آنکھوں کو دیکھ کر تسکین دیتے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس قدر پسند کرتے تھے کہ جب بھی آپ انہیں کھانا دیتے، تو خود ان کے منہ میں لقمہ ڈال دیتے، اور جب آپ انہیں پلاتے، تو پہلے انہیں پیش کرتے، جیسے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پہلے دودھ پلایا، پھر خود پیتے۔ جب آپ ان کے ساتھ چلتے، تو ان کے پیچھے چلتے، تاکہ ان کی خیریت معلوم کر سکیں، جیسا کہ آپ کی مشیت کا وصف ہے: 'وہ اپنے صحابہ کو اپنے ہاتھ سے چلاتے تھے'۔¹⁰⁷

اگر وہ ان سے لڑتا تو دشمن کے سب سے قریب ہوتا تاکہ وہ اس کی پناہ لے سکیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ہم گرم ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرتے تھے، اس لیے وہ ہمارے دشمن کے قریب ترین ہوتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بیٹھتے تو ان میں سے کسی دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتے! کوئی آتا اور کہتا: 'تم میں سے محمد بن عبد اللہ کون ہے؟'

107 الاخبار الموفقیات، زبیر بن بکر (211) میں حسن بن علی نے کہا: میں نے اپنے خالہ بند بن ابی ہالہ المتمیمی سے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبصورتی کے بارے میں وصف بیان کرتے تھے، پوچھا۔ میں چاہتا تھا کہ آپ مجھے اس کی کچھ تفصیلات بتائیں تاکہ میں اس سے وابستہ ہو سکوں۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں سے یہ ذکر کیا: "وہ اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھاتے ہیں اور جس سے ملتے ہیں، اسے سلام کرتے ہیں۔"، الشامل الحمدیہ، الترمذی (8) الشریعہ، الآجری (1022) دلائل النبوة، ابو نعیم الاصبہانی (565)

"وہ اپنے ساتھیوں کو چلاتا ہے" کا مطلب: وہ چاہتا ہے کہ اگر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلتا ہے تو انہیں اپنے ہاتھوں میں دے اور ان کے پیچھے چلے۔

اور جب آپ ان کے ساتھ لڑتے، تو آپ دشمن کے قریب ہوتے، تاکہ وہ آپ کے پیچھے چھپ سکیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: 'جب لڑائی کی شدت بڑھتی، تو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لیتے، اور وہ ہمارے نزدیک دشمن کے قریب ہوتے۔'¹⁰⁸

یعنی جب جنگ کی شدت بڑھ جاتی، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لیتے۔

اور جب آپ انہیں کسی مشکل میں دیکھتے، تو ان کے لیے دعا کرتے اور انہیں اپنے والدین کی قسم دے کر بچانے کی کوشش کرتے، جیسے کہ آپ غزوۂ اُحد میں سیدنا سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے فرماتے: 'اے سعد! تیر چلا! میں تمہارے والد اور والدہ کی قسم دیتا ہوں۔'¹⁰⁹

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ضرورت دیکھی، تو بہترین طریقے سے ان کی مدد کرتے، بغیر کسی احسان یا نقصان کے۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔ جب آپ نے ان کی مالی ضرورت دیکھی تو آپ نے ان سے ان کا اونٹ خریدا اور انہیں اس کی قیمت دے دی۔ کچھ دن بعد آپ نے انہیں بلایا اور اونٹ انہیں تحفے کے طور پر دے دیا!

اور اگر آپ کے درمیان کوئی اجنبی ہوتا تو آپ اسے قریب کر لیتے، جیسا کہ فرمایا: 'مسلمان ہم سے اہل بیت میں سے ہیں۔'¹¹⁰

خبر یقینی اور نور مبین کی بات یہ ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ لوگ اپنے حسب و نسب پر فخر کر رہے ہیں، ہر ایک کہہ رہا ہے: 'میں فلاں کا بیٹا ہوں، اور میں قبیلۂ فلاں سے ہوں، جن کی یہ اور یہ فضیلتیں ہیں!'

108 مسند ابن الجعد (2561)، مسند الامام احمد (1042)، مسند ابی یعلیٰ (302)۔

109 أبو داود سے روایت (104) فضائل الصحابة، الامام احمد (1314)، مسند الامام احمد (1017)، سنن ابن ماجہ (129)، سنن الترمذی (3755) میں علی کرم

اللہ وجہ سے روایت۔

110 الطہقات، ابن سعد 82/4، 318/7، الکبیر، الطبرانی 260/6، الحاکم 598/3، المستدرک 418/3 میں عمرو بن عوف کی حدیث سے روایت۔

جب سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو وہ خاموش رہے، جیسے وہ اپنے درمیان غریب محسوس کر رہے ہوں۔ پھر لوگوں نے ان کی دلجوئی کے لیے کہا کہ سلمان ہم میں سے ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اعلیٰ مقام پر اٹھایا اور فرمایا: 'سلمان ہم سے اہل بیت میں سے ہیں۔'

اسی محبت اور اسی حسن سلوک کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے ہر چیز سے زیادہ محبوب تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا بدلہ محبت سے دیا، اور اکرام کا بدلہ اکرام سے، اور اپنی دوستی کو مال و اولاد پر مقدم رکھا، جیسا کہ آپ نے ان کے لیے پہلے کیا تھا۔ جب آپ نے ان سے کہا: "کیا تم لوگوں کو یہ بات پسند نہیں کہ لوگ ایک بکری اور ایک اونٹ لے جائیں، اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے جاؤ؟" ¹¹¹، انہوں نے کہا: "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم اور حصہ کے طور پر قبول کرتے ہیں!"

پس جان لو، اے قاری عزیز، کہ تم کبھی کڑوے ککڑے سے میٹھا نہیں پاسکتے، اور جب تم بھلائی کا سلوک کرو گے تو وہ تمہارے سامنے آئے گا۔ اگر تم لوگوں کے ساتھ نیکی اور اچھے سلوک کے ساتھ رہو گے، تو لوگ بھی تمہارے ساتھ اسی طرح پیش آئیں گے۔ اپنے ساتھیوں کا انتخاب کرو، اور ان لوگوں کے ساتھ رہو جو تمہارے ساتھ نیکی اور بھلائی کے ساتھ پیش آئیں۔ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس دیکھو کہ تم کس کے ساتھ دوستی کرتے ہو اور کس کے ساتھ رہتے ہو۔"

* * *

فصل ششم: مخالفین کے ساتھ تعلقات

یقینی طور پر ہر اس شخص کے ساتھ مکمل سادگی رکھنا جو آپ سے اختلاف رائے رکھتا ہے، یہ ایک بڑا عیب ہے فنّ تعامل میں، اور یہ ایک خطرناک راستہ ہے جس کا انجام لوگوں کی جانب سے آپ پر جرأت کرنا اور آپ کی رائے کو بے اعتنائی سے دیکھنا ہے۔

اصل طریقہ یہ ہے کہ یہ سادگی ان لوگوں کے ساتھ ہو جو اپنی مخالفت میں منہجیت رکھتے ہیں، یعنی وہ کسی خاص معاملے کے حق میں دلائل پیش کرتے ہیں، اور یہ دلائل کسی حد تک صحیح بھی ہو سکتے ہیں، نہ کہ محض مخالفت کے لیے مخالفت کرنا یا توجہ حاصل کرنا۔

اسی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالفین کے ساتھ سلوک تھا۔ آپ ان کی بات سنتے تھے جب تک وہ اپنی بات مکمل نہ کر لیتے، چاہے وہ ایسے امور میں بات کر رہے ہوں جو کسی صورت میں تبدیل نہیں ہو سکتے!

اس کی ایک مثال عتبہ بن ربیعہ کی کہانی ہے، جب اس کے لوگوں نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپ سے بات کرے، شاید وہ آپ کے پیغام سے واپس لوٹ جائیں۔ عتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب آپ کعبے کے پاس بیٹھے تھے، اور کہا: 'اے بھتیجے! میرے لوگ مجھے آپ کے پاس بھیج رہے ہیں تاکہ آپ کے سامنے کچھ پیش کروں!'

آپ نے فرمایا: 'پیش کرو، اے ابو الولید!'

عتبہ نے قریش کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جانے والی دلکش پیشکشوں کو پیش کرنا شروع کیا، جیسے کہ بادشاہت، مال و دولت، اور عزت ... اس شرط پر کہ آپ اپنے دین کی دعوت چھوڑ دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے اسے سنتے رہے، اور آپ نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، حالانکہ وہ ایسی باتوں کا جواب دے رہے تھے جن پر کسی صورت میں واپسی ممکن نہیں تھی۔

جب عتبہ اپنی بات ختم کر چکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ نے اپنی بات مکمل کر لی، اے ابو الولید؟ اس نے کہا: 'جی ہاں۔' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'تو پھر میری بات سنو۔' پھر آپ نے سورۃ فصلت کی ابتدائی آیات پڑھیں، اور جب آپ اللہ تعالیٰ کے کلام تک پہنچے جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو کہہ دو کہ میں تم کو ایسے چنگھاڑ (کے عذاب) سے آگاہ کرتا ہوں جیسے عاد اور ثمود پر چنگھاڑ (کا عذاب آیا تھا)﴾ (فصلت: 13)۔ تو عتبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا: 'میں تمہیں اللہ اور رشتہ داری کی قسم دیتا ہوں کہ خاموش ہو جاؤ!'۔ اس خوف سے کہ ان پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔" ¹¹²۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اختلاف رائے ایک خوفناک اور مہلک معاملہ نہیں تھا، کیونکہ یہ اس شخص کا فعل نہیں ہے جو اپنے نفس، اپنی رائے، اور اپنی فیصلوں میں مطمئن ہو۔ آپ کو بحث و مباحثہ پسند تھا، اور آپ ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے سوالات کرتے تھے تاکہ وہ آپ سے گفتگو کریں۔ اگر آپ ان کی رائے سے مطمئن ہوتے تو اسے اختیار کرتے، ورنہ اپنے ارادے کے مطابق آگے بڑھتے۔ اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ وہ کسی خاص رائے پر اصرار کر رہے ہیں تو آپ ان کی دل شکنی نہ کرنے کے لیے ان کی رائے کی طرف واپس آتے۔ اور ہم تین مختلف امور کے حوالے سے تین مثالیں لے لیتے ہیں:

پہلا مثال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں حباب بن المنذر کے مشورے کو قبول کیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی فوج کے ساتھ بدر کے کنوئیں پر پہنچے تو انہوں نے پیچھے کی طرف خیمہ لگایا اور قریشی فوج کے میدان جنگ میں پہنچنے کا انتظار کیا۔ اس وقت حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا یہ وہ مقام ہے جس پر اللہ نے آپ کو اتارا ہے، تو ہمیں صرف سننا اور اطاعت کرنی ہے؟ یا یہ ایک رائے، جنگ اور تدبیر ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ یہ رائے، جنگ اور تدبیر ہے۔

حباب بن المنذر نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو مقام نہیں ہے! اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ وہ کنوئیں کے سامنے یا اس کے قریب خیمہ لگائیں تاکہ وہ مشرکین کو اس تک پہنچنے اور لڑائی کے دوران اسے حاصل کرنے سے روک سکیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کو قبول کیا اور اس میں کوئی تنقید نہ کی۔¹¹³

یہ معاملہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حباب کی رائے کو قبول کرنا نہیں ہے، بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ حباب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کے اہم مواقع پر بات چیت کی اور اپنا موقف پیش کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ یہ رائے عملی شکل اختیار کر سکتی ہے، جب تک کہ وہ حکمت کی روشنی میں ہو۔

یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حلم، وسعت صدر، اور مختلف آراء کو قبول کرنے کی صلاحیت کی عکاسی کرتی ہے، حالانکہ سب نے انہیں غیر معمولی ذہانت کا حامل تسلیم کیا۔

دوسرا مثال حدیبیہ کے موقع پر ہے، جہاں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا۔ بعض صحابہ نے اس کے کچھ شقوں میں مسلمانوں کے حقوق کی خلاف ورزی دیکھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرائط اس لیے قبول کیں کیونکہ ان کا دور اندیشی صحیح ثابت ہوئی، جیسا کہ فتح مکہ کے دن واضح ہوا۔

لیکن یہ شرائط بعض صحابہ کے لیے ایک صدمہ تھیں، اور اس صدمے کی شدت نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرنے پر مجبور کیا۔ ان میں سے ایک اہم شخصیت فاروق عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ نبی نے جواب دیا: ہلی! انہوں نے کہا: کیا وہ باطل پر نہیں ہیں؟ نبی نے فرمایا: ہلی! تو پھر ہم اپنے دین میں ذلت کیوں برداشت کریں اور ان سے کیوں نہ لڑیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص نہیں تھے جو اپنی دل کی باتوں کو جنگ کی چالوں سے پوشیدہ رکھیں۔ انہوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی کو اس صلح کے پس پردہ دیکھا، اور اس پر انہیں تنبیہ نہیں کی؛ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ عمر ایک ایسی بات کا دفاع کر رہے ہیں جو واقعی قابل دفاع ہے۔ انہوں نے اپنے رائے کا اظہار کسی تعصب یا خود پسندی کے بغیر کیا، بلکہ ان کی یہ رائے ان کے ایمان کی بنیاد پر تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف نیتی اور اچھی نیت نے انہیں یہ موقع فراہم کیا کہ وہ بحث و مباحثہ کو قبول کریں، تاکہ ان کے صحابہ کے دل میں کوئی سوال یا رائے دبی نہ رہے۔

اس لیے یہ جائز ہے کہ کوئی شخص علم کی بنیاد پر ایسی باتوں پر بات چیت کرے جنہیں بہت سے لوگ مسلمہ سمجھتے ہیں، لیکن وہ یہ بات اس لیے کرتا ہے تاکہ حقیقت کو جان سکے، نہ کہ صرف اپنے حق ہونے کو ثابت کرنے کے لیے۔

تبسیرا موقع وہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نوجوانوں کے ایک گروہ کے ساتھ گفتگو کی، جو تجربات کے بارے میں شور مچاتے تھے اور ان تجربات کو کمزوری سمجھتے تھے۔ میری مراد ان الفاظ سے صحابہ کرام نہیں ہیں، جو اس مسئلے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کر رہے تھے، بلکہ میں ایسے نوجوانوں کا ذکر کر رہا ہوں جو ہر دور اور ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

یہ بحث غزوہ اُحد کے قریب ہوئی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے آنے کی خبر سنی کہ وہ کئی افراد اور ہتھیاروں کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھ رہے ہیں، تاکہ غزوہ بدر میں اپنے مقتولین کا بدلہ لیں!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کیا تاکہ ان سے جنگی منصوبے کے بارے میں مشورہ کریں۔ یہ بحث ایک ہی سوال کے گرد گھوم رہی تھی: کیا ہم ان کا انتظار کریں گے جب وہ مدینہ پہنچیں گے؟ اگر وہ داخل ہوئے تو مرد زمین پر لڑیں گے اور عورتیں اور بچے گھروں کی چھتوں سے ان پر پتھر پھینکیں گے، یا ہم باہر نکل کر ان کا مقابلہ کریں گے؟

پہلا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اور یہ ایک سُنّی رائے تھی، کیونکہ ممکن ہے کہ قریش مدینہ میں داخل ہونے سے خوف زدہ ہو جائیں، جب وہ دیکھیں گے کہ اہل مدینہ کی تعداد ان سے زیادہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی غیرت انہیں گھروں میں داخل ہونے سے روک دے، اور وہ واپس لوٹ جائیں۔ جنگی پہلو سے، یہ ایک ایسی منصوبہ بندی ہے جو یہودیوں اور منافقین کو مشرکوں کے خلاف لڑنے پر مجبور کر دے گی، جو اپنی عقیدت کے تحفظ کے لیے لڑنے کے لیے تیار نہیں، وہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لیے لڑیں گے، کہ کہیں انہیں رسوائی اور بے عزتی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

تاہم، یہ رائے نوجوانوں میں جوش و خروش رکھنے والوں کو پسند نہیں آئی، اور انہوں نے دیکھا کہ ان کا ان کے مقابلے میں باہر نکلنا بہترین حل ہے، تاکہ کوئی یہ نہ سوچے کہ وہ لڑائی سے بزدل ہو گئے ہیں، اور یہ بھی کہ قریش کو یہ پتہ چل جائے کہ ان کے مخالف کتنے شجاع ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوشش کی کہ انہیں اپنے رائے پر قائل کریں، اور یہ سمجھائیں کہ آخر تک امن و سلامتی رکھنا بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے چہروں پر اس رائے کی مضبوطی اور اصرار دیکھا، کیونکہ انہوں نے اپنے جذبات اور احساسات کی بنیاد پر فیصلہ کیا، نہ کہ عقل کی بنیاد پر۔ لہذا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کے مطابق عمل کرنے کا فیصلہ کیا، جنگی لباس پہنا، اور لڑائی کے لیے تیاری کی، پھر وہ ان کی طرف نکلے۔ جب ان نوجوانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ جو دین کی خاطر جوش میں تھے۔ تو انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے چہرے پر اس فیصلے کی ناپسندیدگی تھی۔ تو انہوں نے کہا: "شاید ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند کیا۔" وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تاکہ اسے بتائیں کہ وہ اپنی رائے سے واپس آ رہے ہیں، لیکن یہ بھی کسی عقلی قناعت کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ ایک سچے احساس، یعنی محبت کی بنیاد پر تھا۔ تاہم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے ہٹنے سے انکار کیا، تاکہ انہیں سکھا سکیں کہ ایسی صورتوں میں احساسات کا کوئی عمل نہیں ہوتا۔ پھر انہوں نے فرمایا: "نبی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب وہ اپنے لباس جنگ میں داخل ہو جائے تو اسے اتار دے۔" ¹¹⁴

یعنی، نبی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب وہ جنگ کی تیاری کر لے تو وہ اسے اتار دے، جب تک کہ وہ لڑائی نہ کرے یا اللہ اسے اپنے دشمن سے نہ بچائے۔ پھر وہ ان کے ساتھ باہر شہر سے ملنے کے لیے نکلے تاکہ انہیں ایک اہم سبق سکھا سکیں، جو یہ ہے: 'ایک بار جب معاہدہ ہو جائے تو پھر کوئی جھگڑا نہیں۔'

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی کو اپنے رائے پر مجبور نہیں کیا، چاہے وہ اس کے قریب ترین لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ بلکہ وہ اپنے رائے کو اپنے ساتھی کے رائے کے قریب ترین مقام پر رکھتے تھے، اور پھر انہیں ان کی اپنی قناعت کے مطابق چھوڑ دیتے تھے، جب تک کہ وہ کوئی گناہ یا کسی کو نقصان نہ پہنچائیں۔

یہ واقعہ اس دن ہوا جب مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا تھا، جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاہدہ قریش کے سامنے تحریر کیا، اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اسے لکھ رہے تھے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قریش کو اس بات کا مکمل یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فصاحت و بلاغت کے حامل ہیں، اور ان کے درمیان گفتگو کرنے میں سب سے زیادہ قابل اعتبار ہیں!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستاویز کا آغاز اس الفاظ سے کیا: 'یہ وہ چیز ہے جس پر محمد رسول اللہ قریش سے عہد کر رہے ہیں...' تو سہیل بن عمرو نے کہا: 'اگر ہم جانتے کہ آپ رسول اللہ ہیں تو ہم آپ سے لڑتے ہی نہیں! آپ رسول اللہ کا نام مٹا دیں۔'

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اے علی! رسول اللہ کا نام مٹا دو۔'

علی نے کہا: 'نہیں، اللہ کی قسم! میں کبھی بھی آپ کو نہیں مٹاؤں گا۔''

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دائیں ہاتھ سے (سہیل بن عمرو کا نام) مٹا دیا، اور نہ تو دوبارہ انہیں اس بات کے لیے کہا، نہ ہی اس پر کوئی بحث کی، کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں بحث کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن انہوں نے انہیں کسی بھی ایسے عمل سے آزاد کیا جو ان کی طبیعت پر گراں گزرتا، اور کہا: 'اے علی! اس پر اشارہ کر دو۔' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو پڑھنے لکھنے سے عاری تھے، تو علی نے اس پر اشارہ کیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک ہاتھ سے اس نام کو مٹا دیا!

آپ یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا۔ انہوں نے نہ تو اس کی بات کا کوئی جواب دیا، نہ ہی کسی معاہدے کے بعد اختلاف پیدا کیا، نہ ہی اپنے رائے پر اصرار کیا، اور نہ ہی کسی ایسی بات پر مسئلہ کھڑا کیا جو دراصل صلح کے نکات میں شامل نہیں تھی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی ایسے شخص کی جانب، جو ان سے اختلاف کرتا تھا، کسی بھی طرح کا حقارت یا ذلت کی نگاہ نہیں ڈالی، چاہے وہ شخص کتنا ہی کمزور رائے کا حامل کیوں نہ ہو۔ بلکہ وہ انہیں سنتے تھے جب تک وہ اپنے خیال کا اظہار نہیں کر لیتے، پھر خود اپنی بات کرتے تھے بغیر اس کے کہ کسی دوسرے کی رائے کا تمسخر اڑائیں۔

اختلاف رائے کبھی بھی ان کے درمیان محبت اور بھائی چارے کو خراب کرنے کا باعث نہیں بنا۔ اللہ کی قسم، واقعی کہنے والوں کا قول صحیح ہے: "اختلاف رائے محبت کو کبھی بھی متاثر نہیں کرتا۔"

* * *

فصل ہفتم: دشمن کے ساتھ تعلقات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی کسی کے ساتھ دشمنی کا آغاز نہیں کرتے تھے، سوائے اس کے کہ جب کوئی ان کو دشمن بنا لے۔ اگر ایسا ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دشمنی کا بہترین اور سب سے محفوظ طریقے سے جواب دیتے۔ اگر آپ ان کی سیرت کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ بات پوری طرح یقین سے محسوس ہوگی کہ کتنی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کا خون معاف کیا جو اس کے مستحق تھے، جیسے کہ کعب بن زہیر کے ساتھ ہوا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دشمنی میں فحاشی سے بچنے کی تلقین کرتے تھے اور اس عادت کو منافقوں کی خاصیت میں شمار کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ اپنے اور اپنے دشمنوں کے درمیان عداوت کی جڑیں خشک کریں اور اس کے اسباب ختم کریں۔

در اصل، دشمنی کا مسئلہ اس پیغام کے ساتھ تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے، نہ کہ آپ کی شخصیت کے ساتھ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کبھی بھی دشمنی کی حامل نہیں رہی اور نہ ہی انہوں نے کبھی کسی کے ساتھ دشمنی بڑھائی۔

یہ روایت ہے کہ قریش کے سردار آپ کے چچا ابوطالب کے پاس گئے اور انہیں یہ پیشکش کی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعوت سے باز رکھیں یا انہیں ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق ان کا فیصلہ کریں۔ ابوطالب نے انہیں کہا: "آپ کے چچا آپ سے یہ کہتے ہیں، کہ آپ ان کا جواب دیں اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں جو میں نہ اٹھا سکوں۔" انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ صرف ایک جملہ کہیں، یعنی: "لا إله إلا الله"۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمیں اس کے علاوہ دس جملے مانگے جاتے تو ہم دے دیتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور اللہ کی قسم، اے چچا! اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر

چاند بھی رکھ دیں تو میں اس کام کو چھوڑنے والا نہیں، یہاں تک کہ اللہ اس کو ظاہر کرے یا مجھے اس سے ہلاک کر دے۔“¹¹⁵

یہ عقل مندی کی بات نہیں ہے کہ میں اپنی اصولی باتوں سے دستبردار ہوں تاکہ تمام لوگ مجھ سے راضی ہوں، اور وہ کبھی راضی نہیں ہوں گے۔

دشمن کے ساتھ تعلقات ایک ثقافت ہے جسے سب کو سیکھنا چاہیے۔ یہ ثقافت دشمنی کو ایک مخصوص مسئلے تک محدود رکھنے کا ہدف رکھتی ہے، نہ کہ اسے زندگی کے تمام امور میں عام کرنے کا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں صرف اس شخص سے دشمنی رکھوں جو میرے ساتھ دشمنی کرتا ہے، یعنی میں اس کے اہل خانہ اور رشتہ داروں سے دشمنی نہیں رکھوں گا، اور میں یہ چاہوں گا کہ ایک دن میرے اور اس کے درمیان صلح کا موقع پیدا ہو۔

یہی ثقافت تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی شخص کے ساتھ اپنائی جو ان کے خلاف دشمنی ظاہر کرتا یا چھپاتا تھا۔ انہوں نے دشمنی کو ایک خاص مسئلے تک محدود رکھا، نہ کہ زندگی کے تمام امور میں۔ آپ نے مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ ایک مدت تک زندگی گزاری، جو آپ کے سخت دشمن تھے، ان سے بیع و شراء کی، اور اسی طرح آپ نے مکہ کے مشرکین کے ساتھ بھی یہی رویہ رکھا۔

آپ نے کبھی بھی کسی کے لیے دوسرے سے دشمنی نہیں رکھی۔ مثال کے طور پر، آپ نے سیدہ سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا، حالانکہ ان کے والد آپ کے سخت دشمنوں میں سے تھے، اور سیدہ ام حبیبہ بنت ابو سفیان سے بھی نکاح کیا، جن کے والد اس وقت مشرکین کی قیادت کر رہے تھے۔ آپ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ حد تک صلح و آشتی رکھی، جیسا کہ پہلے ایک باب میں ذکر ہوا۔

اس فصل کی سب سے بڑی گواہی آپ کے دشمنوں کی جانب سے آپ کی صداقت، امانت، اور فضیلت کی تصدیق ہے، باوجود اس کے کہ وہ آپ کے دشمن تھے۔ اس کی ایک مثال ابو سفیان بن حرب کا قول ہے جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی بیٹی ام حبیبہ سے نکاح کے بارے میں سنا، انہوں نے کہا: "یہ ایک شاندار رشتہ اور تعلق ہے، اور وہ ایک اچھے انسان اور شوہر ہیں۔"

* * *

باب سوم: نئے حالات کے ساتھ نمٹنے کا طریقہ

المُسْتَحْزَات (نئے حالات): وہ امور ہیں جو پہلے نہیں تھے اور پھر وجود میں آئے، اور یہاں میری مراد ان ہنگامی حالات سے ہے جن کا فوری حل ضروری ہے، (اصطلاح میں کوئی اختلاف نہیں)۔

یہ دو قسم کی ہیں جن پر بحث کی جا سکتی ہے: یا تو چیلنجز، یا مسائل۔

چیلنجز: وہ امور ہیں جو انسان اور اس کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ بنتے ہیں۔

مسائل: میری مراد وہ رکاوٹیں ہیں جو انسان اپنی مرضی سے پیدا کرتا ہے یا جو اس کے لیے پیدا کی جاتی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی مسائل کا سامنا کرنا پڑا جو ان سے اور ان کے خاندان سے متعلق تھے، اور وہ سماجی مسائل بھی جو ان کے ارد گرد کے ماحول کو متاثر کر رہے تھے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی چیلنجز کا بھی سامنا کرنا پڑا جو ان کے پیغام کی تبلیغ اور ریاست کی تشکیل میں رکاوٹ بنتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسائل سے حکمت کے ساتھ نمٹا، جو آج کے دور میں ہمیں بہت کمی نظر آتی ہے۔ یہ حکمت ایسی تھی کہ اس کے دشمن بھی اس کے قائل تھے، جیسے کہ ایک مشہور مغربی دانشور (برنارڈ شو) نے کہا: «اگر محمد بن عبد اللہ زندہ ہوتے تو وہ دنیا کے مسائل کو ایک کپ کافی پیتے ہوئے حل کر دیتے» یعنی چند منٹوں میں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی مسئلے کا حل مؤخر کر دیتے تھے، کیونکہ یہ مؤخر کرنا خود حل کا ایک حصہ ہوتا تھا، نہ کہ یہ کہ حل ان کے لیے مشکل تھا۔ کتنی ہی ایسی باتیں ہیں جن پر انہوں نے صرف سن کر فیصلہ کیا؟ انہوں نے ہمیں بتایا کہ ان کا فیصلہ اکثر عقل و فطانت کی بنیاد پر ہوتا تھا، نہ کہ آسمانی وحی پر، اگرچہ وحی انہیں حمایت اور برکت فراہم کرتی تھی۔ انہوں نے فرمایا: «میں تو صرف ایک بشر ہوں، اور تم میرے پاس

اپنے مسائل لے کر آتے ہو، اور ممکن ہے کہ تم میں سے بعض کی دلیل دوسرے سے زیادہ قوی ہو، تو میں اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں، پس اگر میں کسی کو اس کے بھائی کا حق دے دوں تو وہ اسے نہ لے، کیونکہ میں تو اسے صرف آگ کا ایک ٹکڑا دیتا ہوں۔¹¹⁶

یعنی: تم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی پر ظلم نہ کرے، کیونکہ اللہ نے اسے فصاحت عطا کی ہے، اور وہ میرے پاس آتا ہے اور اپنے ساتھی پر دلیل میں غالب آجاتا ہے۔ تو اس شخص کو یہ جان لینا چاہیے کہ اگر میں نے اس کے حق میں فیصلہ کیا، اور اسے اپنے بھائی کا مال دے دیا، تو میں تو اسے آگ کا ایک ٹکڑا ہی دیتا ہوں۔

اور اب آئیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سختیوں میں بھی جاننے کی کوشش کرتے ہیں، جیسے کہ ہم نے انہیں آرام و سکون کے لمحات میں جانا۔

* * *

فصل اول: چیلنجز اور رکاوٹوں کا سامنا

ہم کہہ سکتے ہیں: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک بڑے چیلنج کی صورت تھی۔

اور آپ اس قول پر غور کر سکتے ہیں: «اللہ اس کام کو مکمل کرے گا یہاں تک کہ راکب صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گا، اور اسے اللہ یا بھیڑیے کے سوا کسی اور سے خوف نہیں ہوگا، لیکن تم جلد بازی کر رہے ہو۔»¹¹⁷

اور ہر نئے چیلنج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مہارت عقبات کو مختلف طریقوں سے ہموار کرنے میں ظاہر ہوتی تھی، چاہے وہ براہ راست ہو یا غیر براہ راست، فوری ہو یا مؤخر، ظاہری ہو یا پوشیدہ۔ یہ سب طریقے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیلنجوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنے کے لیے اختیار کیے...

براہ راست تعامل کی ایک مثال قبیلے کی نسل پرستی کے ساتھ ان کا تعامل ہے، جو کہ انہیں جدید اسلامی ریاست کے قیام میں رکاوٹ ڈال سکتا تھا، اور اگر ریاست قائم بھی ہو جاتی تو یہ رکاوٹ اس کے تسلسل میں رکاوٹ بنتی، جیسا کہ بعد میں ہوا۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کی جگہ جان لی، تو انہوں نے اس کا علاج بھی تیار کیا۔ وہ ہر قبیلے کو خود ان کی عظمت اور شرف کا ذکر کرتے، اور پھر انہیں نسل پرستی چھوڑنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہتے: «اسے چھوڑ دو، یہ بدبودار ہے۔»¹¹⁸

پھر وہ ان کے درمیان بھائی چارہ قائم کرتے؛ ایک اوسائی کو دوسرے خنزرجی کے ساتھ، ایک انصاری کو دوسرے مہاجر کے ساتھ، ایک عربی کو دوسرے عجمی کے ساتھ، ایک مولیٰ کو قبیلے کے سردار کے ساتھ بھائی بنا دیتے، یہاں تک کہ ان کے درمیان تفریق ختم ہو گئی۔ وہ ایک دوسرے کو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے، اگرچہ

117 صحیح البخاری (3612)، مسند الامام احمد (21057)۔

118 صحیح البخاری (4622)، صحیح مسلم (2584) میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔

خود تنگدستی میں ہوتے۔ اس سے بہتر کوئی معاشرہ نہیں ہے! اور اس ریاست کے ساتھ کوئی دوسری ریاست جو اس کا مقابلہ کر سکے، نہیں بن سکتی!

حقیقی تہذیب انسان کو تعمیر کرنا ہے، نہ کہ چھتوں اور دیواروں کو بنانا۔ یہ معاشرہ ایسا تھا کہ کوئی بھی شخص اس کے بیٹوں کے درمیان فساد پیدا کرنے کی جرات نہیں کر سکتا، جب تک کہ وہ پردے میں نہ چھپے، یا دیواروں کے پیچھے سے نہیں آئے۔ یہ ایک نیا چیلنج تھا جو مکہ میں نہیں تھا، یعنی "نفاق" کا چیلنج۔ یہ چیلنج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر براہ راست طریقے سے سامنا کیا، حالانکہ انہیں ان منافقین کا علم تھا، اور انہوں نے سیدنا حذیفہ بن الیمان کو ان کے ناموں سے آگاہ کیا، مگر وہ ان کے ساتھ مبہم انداز میں بات کرتے، مثلاً: "کیا بات ہے کہ کچھ لوگ یہ اور یہ کرتے ہیں؟" انہوں نے ان کے خون کو حلال نہیں کیا اور نہ ہی انہیں ختم کرنے کی کوشش کی، حالانکہ یہ ان کی وفاداری کے خلاف جانے والوں کے لیے ایک عادلانہ سزا ہوتی۔ انہوں نے اپنے صحابہ کو اس اقدام سے منع کیا، جیسا کہ انہوں نے سیدنا عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی بن سلول کو بھی ان کے والد، جو کہ منافقین کے سردار تھے، کے قتل سے منع کیا اور فرمایا: "تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔" ¹¹⁹ پس قتل کبھی کبھی معاشرے میں فتنے کو ختم کرنے کا حل ہو سکتا ہے، لیکن یہ لوگوں کو اس دین میں داخل ہونے سے دور کرے گا، اور اس طرح ریاست کی تعمیر مکمل نہیں ہوگی۔ مزید یہ کہ ان کا قتل شاید مدینہ میں قبیلے کے تنازعات کو بھی بھڑکا دے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر براہ راست طریقہ اپنانا ہی بہتر سمجھا، اور کچھ ہی وقت میں وہ اپنی حالت پر واپس آ گئے، ان میں سے کچھ تو مر گئے، کچھ کو قتل کیا گیا، اور کچھ کو اللہ نے ہدایت دے دی اور انہوں نے توبہ کی۔

تحدیات میں ایک اور چیلنج ریاست کی حدود کو وسعت دینا اور اس کی حفاظت کرنا ہے، اور یہ قوت سے بھی ہو سکتا ہے! لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ صرف مضبوط عقیدے اور مکمل یقین کی بنیاد پر ہی سلوک کرتے تھے۔ انہوں نے اولاً لوگوں کو اپنے دین کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کی، یا کم از کم انہیں

اس کی بنیادی باتوں سے آگاہ کیا، تاکہ وہ ان سے صلح کریں۔ وہ پہلے سفراء اور پیغامبر بھیجتے تاکہ لوگ اس دین کے اصولوں سے آگاہ ہوں، جیسا کہ انہوں نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ہجرت سے پہلے مدینہ بھیجا، جن کی وجہ سے وہاں کے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ انہوں نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھی بھیجا، اور وہ اپنے سفراء کے انتخاب میں بہت احتیاط برتتے تھے۔

انہوں نے انہیں یہ بھی سکھایا کہ لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا ہے اور انہیں بہترین طریقے کی رہنمائی فراہم کی۔ یہ بات بھی بتائی کہ جس معاشرے میں وہ جائیں گے، اس کا مطالعہ کرنا بہترین طریقہ ہے تاکہ ان کی حملیت حاصل کرنے کا سب سے بہتر طریقہ معلوم ہو سکے۔ اس کی واضح مثال ان کی جامع وصیت ہے جو انہوں نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے لیے کی، جب وہ یمن کے لیے روانہ ہوئے، اور جس میں شروع میں کہا: "اے معاذ! بے شک تم ایک ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں" ¹²⁰۔ اور ان الفصاحت فی یہ الفقرات راستے کو اختصار دیتی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی حالت سے آگاہ کیا اس سے پہلے کہ انہیں دعوت دینے کا طریقہ سکھائیں۔

اس چیلنج کا سامنا کرتے ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امن پسندی کا انتخاب کیا، جبکہ قوت اس وقت قبیلوں اور ریاستوں کے درمیان سمجھوتے کی زبان تھی!

اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشکلات اور چیلنجز کا سامنا ایک منفرد ذہنیت کے ساتھ کیا، جو اس دور میں دستیاب نہیں تھی، جیسے کہ وہ ایک ہلکے پردے کے پیچھے سے مستقبل کو دیکھ رہے ہوں۔ آپ نے دیکھا کہ وہ رکاوٹوں کو ہٹاتے ہیں اور چیلنجز کو ایسے طریقے سے توڑتے ہیں جو ان کے دشمنوں کے لیے غیر متوقع تھے، جس نے ان کے ساتھیوں بلکہ ان کے ارد گرد کے تمام لوگوں کو یہ تحریک دی کہ وہ زندگی کے ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کی رائے پر اعتماد کریں۔

اور وہ انہیں نصیحت دیتے تھے، انہیں ان کی طاقت اور کمزوریوں سے آگاہ کرتے تھے، اور اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کی ان کی صلاحیت کا اندازہ لگاتے تھے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کا ایک واضح اور بہترین نمونہ ہے جو انہوں نے سیدنا ابو ذر کے ساتھ پیش کیا۔ جب سیدنا ابو ذر نے آپ سے امارت کی درخواست کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابو ذر! میں تمہیں کمزور سمجھتا ہوں، اور میں تمہارے لیے وہی چاہتا ہوں جو اپنی ذات کے لیے چاہتا ہوں۔ تم دو لوگوں پر امیر نہ بنو، اور نہ ہی یتیم کے مال کی ذمہ داری سنبھالو۔"

* * *

فصل دوم: ہنگامی مسائل کے ساتھ نمٹنے کا طریقہ

انسان کی زندگی مسائل سے خالی نہیں ہوتی، چاہے وہ ذاتی ہوں یا سماجی۔ عقلمند وہ ہے جو مسئلے سے فائدے کے ساتھ نکلتا ہے اور کئی مسائل پیدا نہیں کرتا۔

مسائل کے ساتھ نمٹنے کا طریقہ انسان کی شخصیت، ذہانت، اور فوری سوچ کی صلاحیت کی بڑی علامت ہے، اور یہ اس کی دشمنی یا امن پسندی کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک عام انسان کی طرح اپنی زندگی میں متعدد پیچیدہ اور ہنگامی مسائل کا سامنا کیا، اور ان کا سامنا عقل اور انسانیت کے ساتھ کیا۔ انہوں نے ایسے حل فراہم کیے جو حیرت انگیز اور متاثر کن تھے۔ حکام اور امراء کی زیادہ تر حل قوت اور تشدد کے ذریعے ہوتے ہیں جب کوئی مسئلہ ان پر مشکل ہوتا ہے، اس لیے آپ حکمت اور حلم کے حامل حکام کو دیکھتے ہیں جنہیں لوگ بطور مثال لیتے ہیں، اور ان کی کہانی صدیوں سے نسلوں کو سنائی جاتی ہے۔

میں اس باب میں ایک مختلف طریقہ اختیار کروں گا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مسائل کے حل کے لیے قائم کردہ عمومی قاعدے کا ذکر نہیں کروں گا، بلکہ میں کچھ واقعات کا ذکر کروں گا اور ان کے ساتھ نبوی طرز عمل کی وضاحت کروں گا۔ میں ان سے جو کچھ سمجھا ہوں اس کی طرف اشارہ کروں گا، اور قاری کے لیے ایک کھرکی کھولوں گا تاکہ وہ بھی کچھ نئے حالات سے نمٹنے کے قواعد اخذ کر سکے۔ تو میں یہ کہتا ہوں:

یہ معروف ہے کہ انسان کو سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس کی عزت پر حملہ کریں اور اس کی عفت و آبرو کے بارے میں بات کریں، خاص طور پر اگر وہ شخص صالح، بادب، اور لوگوں کے درمیان اچھے اخلاق کا حامل ہو، اور اس کے اہل خاندان عفت و پاکدامنی کی مثالیں ہوں۔ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ یہ ہے کہ یہ الزام اس کے دوست یا ساتھی کی طرف سے ہو!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جب مدینہ میں کچھ لوگوں نے آپ کی پاکدامن بیوی، ام المؤمنین عائشہ بنت ابی بکر —رضی اللہ عنہا— پر بے حیائی کا الزام لگایا، اور ان کے ساتھ ایک ایسے شخص کی نسبت کی گئی جو ادب و اخلاق میں مثال تھا، یعنی «صفوان بن معطل»۔ ان بے بنیاد افواہوں کی تصدیق کچھ صحابہ، مرد اور خواتین نے بھی کی۔ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر بھی شامل تھے، جنہوں نے ہمیشہ آپ سے محبت، قدر، اور احترام کا اظہار کیا اور آپ کی حفاظت میں قول و فعل کے ساتھ ساتھ رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نازک صورت حال میں تھے۔ انہیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا انہیں اپنے صحابہ کی باتوں کو جھوٹا قرار دینا چاہیے، جبکہ وہ خود سچائی اور محبت کے اعلیٰ درجے پر ہیں؟ یا اپنی پاکباز، نیک نیت بیوی پر لگائے گئے الزامات پر یقین کرنا چاہیے، جبکہ انہیں ان کی فضیلت کا پورا علم ہے؟

پھر کیا یہ معاملہ انہیں اپنی رسالت، لوگوں کے درمیان صلح، اور ان کے مسائل حل کرنے سے روک دے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ممکن تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں اور کسی اور سے شادی کر لیں، لیکن اس صورت میں ناانصافی ہوتی، کیونکہ یہ الزام ان پر ثابت ہو جاتا چاہے وہ کتنی ہی قسمیں اور قسمیں اٹھائیں!

کسی کا کہنا ہو سکتا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس الزام کی تردید کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے کیوں نہیں آئے، جبکہ وہ اس کی پاکدامنی جانتے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں رکھتے تھے؟

اور جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ پیش آیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطبہ دیا، انہیں اپنی بیوی پر اعتماد کا یقین دلایا، اور انہیں ایسے معاملات میں دخل اندازی سے روکا۔ لیکن بہت سے لوگوں نے اس مسئلے

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شوہر کی حیثیت سے دیکھا جو اپنی بیوی کا دفاع کر رہا ہے، نہ کہ ایک نبی جو اپنی قوم کے مظلوموں پر ہونے والے ظلم کا دفاع کر رہا ہے!

نہ تو منافقین کی قیادت نے خاموشی اختیار کی، اور نہ ہی ان کے پیروکاروں نے اس مسئلے میں کسی قسم کی قناعت دکھائی۔ لوگ اپنی جہالت میں مبتلا رہے، اور یہ بات مدینہ میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ وہ اپنی بیوی کو اس طوفان سے دور رکھیں تاکہ وہ نہ جان سکے کہ اس کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے اور نہ ہی وہ ان باتوں کو سنے جو ہوا میں گونج رہی ہیں اور اس کی عزت و شرف کو چھو رہی ہیں۔

اس لیے انہوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ انہیں یہ باتیں نہ بتائیں، بلکہ انہیں ان کے گھر والوں کے پاس لے گئے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر مسجد کے قریب تھا، جہاں اہل مدینہ ہر جانب سے آتے تھے، اور سیدہ عائشہ —رضی اللہ عنہا— کا کمرہ مسجد کے اتنا قریب تھا کہ وہ منبر پر کی جانے والی ہر بات سن سکتی تھیں۔

اور یہ ممکن تھا کہ سیدہ عائشہ —رضی اللہ عنہا— کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس بات کی تردید یا ان کے بار بار منبر پر ان کی دفاع کے بارے میں سنتیں، خاص طور پر جب وہ مسجد کے اندر یا باہر اس معاملے کے بارے میں سرگوشیاں کرتے۔ لہذا، انہیں اس مقام سے دور رکھنا ضروری تھا تاکہ ان کی عزت و احساسات کا تحفظ ہو سکے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہا وہ کر دکھایا، کیونکہ سیدہ عائشہ —رضی اللہ عنہا— اپنے والد کے گھر میں ایک پورا مہینہ گزاریں، جہاں انہیں اس بارے میں کچھ سننے کو نہیں ملا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی زبانیں بند کرنے کی پوری کوشش کی، مگر منافقین اپنے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دے رہے تھے، تاکہ وہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات اور اپنے گھر کے مسائل میں مشغول کر کے ان کی دعوت اور رسالت سے دور کر سکیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنی رسالت کو مکمل کرنے اور اپنی بیوی کو رکھنے کے درمیان تردد میں مبتلا ہوں۔ انہوں نے اپنی دعوت اور عقیدے کے لیے بہت کچھ قربان کیا، لہذا انہوں نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کہ آیا انہیں سیدہ عائشہ —رضی اللہ عنہا— کو رکھنا چاہیے اور ان کی وجہ سے دعوت اور اسلامی سرحدوں کی توسیع کے معاملے میں مشغول رہنا چاہیے، یا انہیں طلاق دے کر اپنی زندگی کے مقصد کے حصول کے لیے پوری توجہ دینی چاہیے؟

پھر بعض صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ وہ سیدہ عائشہ —رضی اللہ عنہا— کو رکھیں، کیونکہ انہوں نے محسوس کیا کہ فتنہ کا شور کمزور ہو رہا ہے۔ جبکہ کچھ نے مشورہ دیا کہ انہیں طلاق دے دیں تاکہ یہ مسئلہ ہر اُس شخص کے لیے دروازہ نہ بن جائے جو کبھی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا چاہے۔

مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی کے ساتھ آخری حد تک متمسک رہے۔ وہ کبھی کبھار سیدہ عائشہ —رضی اللہ عنہا— کے والد کے گھر جایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن انہیں پتہ چلا کہ سیدہ عائشہ کو اس بارے میں خبر ہو گئی ہے۔ انہیں اس بات کا بہت دکھ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس معاملے کی حقیقت نہیں بتائی، اور انہوں نے یہ سوچا کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے بارے میں شک تھا۔ درحقیقت، یہی دکھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ بتانے کی بنیادی وجہ تھا اور یہی سبب تھا کہ انہوں نے سیدہ عائشہ —رضی اللہ عنہا— کو ان کے والد کے گھر بھیج دیا۔

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے گھر واپس لے آتے تو یہ بات ہر صبح و شام ان کے درمیان بات چیت کا موضوع بن جاتی، جو ان کی دعوت، ریاست اور اپنی ذمہ داریوں پر توجہ مرکوز کرنے میں خلل ڈالتی۔ لہذا، نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں کچھ وقت گزارنے کا فیصلہ کیا تاکہ اللہ تعالیٰ اس مسئلے میں انصاف کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم براءت کا انتظار نہیں کر رہے تھے، کیونکہ انہوں نے اس بارے میں لمحہ بھر بھی شک نہیں کیا، بلکہ وہ صرف اس طوفان کی خاموشی، اس معاملے کو بھولنے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدہ عائشہ کی براءت کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا انتظار کر رہے تھے، نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔ بالآخر، اللہ تعالیٰ نے انہیں براءت دی، اور اس معاملے میں کسی بھی شخص کے لیے گفتگو کرنا حد کے مستوجب ہو گیا۔

تو غور کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلے کو کس طرح حل کیا بغیر اس کے کہ کسی ایک طرف کو نقصان پہنچے یا کسی ایک طرف کو کھو دے۔ اور کس طرح انہوں نے اذیت برداشت کرنے کو ترجیح دی، چاہے وہ کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو، بجائے اس کے کہ وہ مسئلے کو ایسا حل کریں جو ان کے مخالفین کے دلوں کو ٹھیس پہنچائے، ایسی ٹھیس جو راتوں اور دنوں کے گزرنے سے بھی نہیں بھر سکتی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بھی فیصلہ ان لوگوں کے بارے میں ہوگا جو اس معاملے میں باتیں کرتے ہیں، وہ منافقین کو مزید باتیں کرنے کا موقع فراہم نہیں کرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے آپ کو شکوک و شبہات سے دور رکھتے تھے اور شیطان کو یہ موقع نہیں دیتے تھے کہ وہ کسی کے دل میں آپ کی اخلاقیات کے بارے میں وسوسے ڈال سکے۔

آپ، عزیز قارئین، نے شاید اس واقعے کے بارے میں سنا ہوگا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت مسجد میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرے، اور آپ کے ساتھ سیدہ صفیہ بنت حئی تھیں۔ جب وہ دونوں آپ کے پاس سے گزرے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا: "آہستہ آہستہ آؤ، یہ صفیہ ہیں!" تاکہ انہیں آپ کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات پر وہ دونوں حیران رہ گئے اور بولے: "سبحان اللہ، اے رسول اللہ!"

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیشک شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح بہتا ہے، اور میں نے ڈر محسوس کیا کہ کہیں یہ تم دونوں کے دلوں میں کوئی برائی نہ ڈال دے۔" ¹²¹

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلے کا حل یہ نکالا کہ دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیا، اور ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی، تاکہ اگر ان کی سچائی ثابت ہو جائے تو کوئی اسے طلاق دینے پر ملامت نہ کرے، یا اگر اس کی برائی ثابت ہو جائے تو ان پر حد نہ لگائے — اور یہی واقعی ہوا۔

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی مسائل کو حل کرنے کے طریقے کی ایک مثال ہے، اور یہ بتاتی ہے کہ آپ نے اپنی دعوت اور عقیدہ کے مشغول ہونے کے باوجود ان مسائل کا کس طرح سامنا کیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ کے پاس گئے، تو انہوں نے کہا: "اے میرے والد! میرے سر کی حالت کیا ہے!" اور انہوں نے اپنے سر میں درد کی شکایت کی جو لگتا ہے کافی عرصے سے چل رہا ہے اور شدت میں بڑھتا جا رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور میں بھی، خدا کی قسم، اے فاطمہ! میرے سر کی حالت بھی یہی ہے!"

یہ ایسے لگتا ہے کہ فاطمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درد کی یاد دلائی، جسے آپ نے لوگوں کے ساتھ مشغول ہونے، انہیں تعلیم دینے، اور ان کے مسائل حل کرنے کی وجہ سے بھول دیا تھا۔

یہ ایک اور مثال ہے جو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسئلے کو اس کی جڑوں سے حل کرتے تھے، اور اسے بڑھنے نہیں دیتے تھے۔ ان کے لیے مسائل کبھی بھی ان کی اصل حیثیت سے بڑی نہیں ہوتے

تھے، اور وہ انہیں ذاتی مسائل میں تبدیل نہیں ہونے دیتے تھے، جو سماجی مسائل بن جائیں۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو مسائل کا علاج صرف عارضی طور پر کرتے تھے، بلکہ ان کی حل جڑیں کھودنے والے، کافی اور شافی ہوتے تھے، چاہے دوا اثر کرنے میں کچھ وقت لے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سماجی مسائل کے حل کرنے کا طریقہ بھی ذاتی مسائل کے حل کرنے سے کم حکمت نہیں تھا۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہ بھی ہوتے، تو وہ ایک ریاست کے صدر تھے، اور اگر ریاست نہ بھی ہوتی، تو وہ ایک سماجی مصلح تھے، جن کی طرف لوگ مشکلات کے وقت رجوع کرتے تھے، اپنی رازوں کو ان کے سپرد کرتے تھے، اور اپنی مشکلات کے حل کے لیے ان کی مدد لیتے تھے۔ لوگ ان کی حکمت، بصیرت، اور درست رائے کی وجہ سے ان کی طرف آتے تھے، جو ہمیشہ دور اندیشی اور دل کی وسعت پر مبنی ہوتی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی دن بغیر کسی مسئلے کے حل کیے گزرتا نہیں تھا، بعض اوقات ایک مسئلے کو فوری حل کر دیتے، اور بعض اوقات کچھ مسائل کو وقت کے عوامل کے ساتھ حل کرنے کے لیے چھوڑ دیتے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک اور بڑا سماجی مسئلہ جو آیا، وہ مسئلہ غلامی تھا، یعنی انسانوں کی دوسرے انسانوں کے لیے بنگی۔ یہ صرف عربوں کی مسئلہ نہیں تھا، بلکہ یہ ایک عالمی مسئلہ تھا، جس میں سارا دنیا پھنس چکی تھی۔

جو لوگ نہیں جانتے، ان کے لیے بتانا ضروری ہے کہ یہ مسئلہ انسانی غلامی کا ہے، جو جنگوں اور دشمنیوں کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی قبیلہ دوسرے قبیلے پر فتح پاتا ہے، یا کوئی شہر دوسرے شہر پر غالب آتا ہے، تو ان کے مرد و زن قید میں آجاتے ہیں، اور قید ہونے والا شخص اپنے قیدی کے ملکیت میں آجاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی خدمت کرے گا، اور چاہے تو اسے بیچ بھی سکتا ہے۔

اس مسئلے کا حل براہ راست حکم دے کر کبھی بھی نہیں نکل سکتا! بہت کم لوگ اپنی دولت کو اس حکم کے تحت چھوڑ دیں گے۔ قرآن پاک نے اس مسئلے کا حل ایک عظیم راستے سے نکالا، جو کہ غلاموں کی ذلت سے آزادی کی ترغیب دینا ہے، اور آزاد کرنا بہت سے گناہوں کا کفارہ بن گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے راستے کو مکمل کرنے کا طریقہ اپنایا۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو بہت سے غلاموں کے مالک تھے، لیکن انہوں نے کوئی ایسا گناہ نہیں کیا، جس کا کفارہ آزاد کرنا ہو، اور وہ اکثر خیر کے کاموں میں مصروف تھے، انہیں آزاد کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے افراد کے ہوتے ہوئے اس مسئلے کا خاتمہ کیسے کر سکتے تھے؟!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی انسانی ضمیر کو جگانے کا طریقہ اپنایا، تاکہ وہ یہ محسوس کریں کہ یہ بھی ایک انسانی روح ہے، جس کے حقوق ہیں، جیسے کہ اس پر کچھ واجبات بھی ہیں۔ انہوں نے غلاموں کے حقوق کو ان کے مالکوں پر فرض کیا، اور ان کے ساتھ معاملات میں کچھ حدود مقرر کیں، جو کہ شاید ایک مالک کے لیے اپنے معاشرے کے سامنے برداشت کرنا مشکل تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کے پاس غلام ہو، وہ اسے اسی طرح کھانا دے، جیسے وہ خود کھاتا ہے، اور اسی طرح کپڑے دے، جیسے وہ خود پہنتا ہے۔" ¹²² یہ ایک بڑا چیلنج ہے، کیونکہ بہت سے مالکان اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے خادم کے لباس میں ملبوس ہوں۔ یہ تو ممکن ہے کہ جب وہ لوگوں کے سامنے آئیں تو کوئی انہیں صحیح طور پر پہچان نہ سکے، جس سے ان کی حیثیت متاثر ہو سکتی ہے۔

یہ احکامات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انسانی حقوق اور ان کے احترام کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہ صرف غلاموں اور خادمانہ حیثیت رکھنے والوں کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا اظہار نہیں کرتے، بلکہ ان کے انسانی حقوق کی بھی ضمانت دیتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مالکان کو یہ تعلیم دی کہ وہ اپنے خادموں کو صرف "عبد" کہنے کے بجائے ان کی عزت و وقار کا خیال رکھیں اور انہیں "غلام" یا "جاریہ" کے طور پر مخاطب کریں۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ ہر انسان کی عزت و قدر ہونی چاہیے، چاہے اس کی حیثیت کچھ بھی ہو۔

مزید برآں، اگر مالکان اپنے خادموں سے کچھ طلب کرتے ہیں، تو انہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ ان کے لیے قابل برداشت ہے یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو انہیں ان کی مدد بھی کرنی چاہیے۔ یہ سب کچھ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسانی ہمدردی، محبت، اور بھائی چارے کا احساس رکھنا نہایت اہم ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، لہذا جس کا بھائی تمہارے ہاتھ میں ہو، اسے وہی کھانا کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہی لباس پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔" ¹²³

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے غلامی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے جو طریقہ کار اپنایا گیا، وہ نہایت حکمت اور دور اندیشی پر مبنی تھا۔ آپ نے اس مسئلے کو ایک ساتھ ختم کرنے کی بجائے تدریجاً حل کرنے کی کوشش کی، تاکہ اس کے نتیجے میں معاشرتی بے چینی یا اقتصادی مسائل پیدا نہ ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام میں انسانی ہمدردی، رحم، اور انصاف کی بنیادیں قائم کیں، اور غلاموں کے حقوق کا خاص خیال رکھا۔ آپ نے یہ واضح کیا کہ غلاموں کو ان کی حیثیت سے ہٹ کر ایک انسان کی

طرح دیکھا جائے، اور ان کی ضروریات کا پورا خیال رکھا جائے۔ یہ بات اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ انسانیت کا احترام بنیادی ہے، چاہے کسی کی سماجی حیثیت کچھ بھی ہو۔

قرآن مجید نے عتق (غلامی سے آزادی) کی ترغیب دی، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عملی اقدامات کے ذریعے غلامی کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے غلاموں کے حقوق کی پاسداری پر زور دیا اور ان کی آزادی کو ایک فطری اور ضروری عمل کے طور پر پیش کیا۔

آپ کا یہ طریقہ کار آج بھی نہایت اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ یہ ایک ایسی بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر ایک مستحکم اور باہمی تعاون پر مبنی معاشرہ تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں سال بعد بھی، مسلم معاشروں میں غلامی کی کوئی بڑی مثال موجود نہیں ہے، جو اس حکمت عملی کی کامیابی کی دلیل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عالمی مسائل کو حل کرنے میں جو حکمت اور بصیرت دکھائی، وہ قابلِ غور ہے۔ آپ نے نہ صرف غلامی، بلکہ دیگر سماجی مسائل جیسے زنا، خواتین کے حقوق، قبائلی تعصبات، اور معاشرتی فخر کے خلاف بھی آواز بلند کی۔

اقتصادی مسائل کے حوالے سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مارکیٹوں کا دورہ کیا اور تاجروں کو دھوکہ دہی سے منع کیا۔ آپ نے فرمایا: "جو کسی کو دھوکہ دے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔¹²⁴

124 صحیح مسلم (101) ابو ہریرہ سے روایت۔ مسند ابن ابی شیبہ (721) میں حضرت ابوالحرماء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جس کے پاس ایک برتن میں کھانا تھا۔ آپ نے اس میں ہاتھ ڈال کر فرمایا: 'تم نے دھوکہ دیا، جو شخص ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'

مجاہدات کا مسئلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدات کے مسائل کو حل کرنے کے لیے نقشہ (سادگی) اور تکافل اجتماعی (اجتماعی امداد) کا طریقہ اختیار کیا۔ آپ نے لوگوں کو دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دی، تاکہ ضرورت مندوں کو خوراک اور دیگر ضروریات فراہم کی جا سکیں۔

طاعون کا مسئلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون جیسی مہلک بیماریوں کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے حجر صحت (قرنطینہ) کا اصول اپنایا۔ آپ نے لوگوں کو ایک دوسرے سے دور رہنے کی نصیحت کی، تاکہ بیماری نہ پھیلے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحت عامہ کی حفاظت کے لیے مؤثر اقدامات کی ضرورت ہے۔

حیوانات کا انقراض

آپ نے مکہ اور مدینہ جیسے مخصوص مقامات پر شکار کو ممنوع قرار دے دیا، جس نے جنگلی حیات کی حفاظت میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ اصول بعد میں قدرتی محفوظ علاقوں (نیچرل ریزرو) کی تشکیل کی بنیاد بنا۔

احتکار کا مسئلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احتکار (اجتناس کا ذخیرہ اندوزی) کے مسئلے کا بھی مؤثر طریقہ سے حل نکالا۔ آپ نے لوگوں کو محتکرین (ذخیرہ اندوزوں) سے دور رہنے کی نصیحت کی، اور فرمایا: "جو لوگ مال و دولت کو صحیح طور پر تقسیم کرتے ہیں ان کی روزی میں برکت ہوتی ہے، جبکہ ذخیرہ اندوزوں پر لعنت ہوتی ہے"۔¹²⁵

125 سنن الدارمی (2563)، سنن ابن ماجہ (2153)، شعب الایمان، للبیہقی (10700) میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت۔

اور اس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت میں پھیلنے والے بڑے مسائل کو کیسے حل کیا، جن کی جڑیں حب ذات اور دنیا کی محبت میں تھیں۔ آپ نے انہیں درست کیا اور ہر زاویے سے ان کا علاج کیا، دور اندیشی کے ساتھ ان کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں، اور علاج کے نتائج کے لیے جلد بازی نہیں کی۔ آپ نے اسباب کو اپنایا اور ایک مسئلہ سے دوسرے مسئلے کی طرف نہیں جھک گئے، نہ ہی کسی مسئلے کا حل مشکل محسوس ہوا۔ وہ رات بھر بے چین رہے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ کوئی بھی مرض بغیر علاج کے نہیں رہتا، اور آپ کا دل اپنے خالق کے ساتھ وابستہ تھا، اور آپ کو یہ علم تھا کہ اللہ کی طرف سے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے سوائے اس کے۔ اگر کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے اور اس کا حل مشکل ہو جائے تو یہ اللہ کی طرف سے ایک امتحان ہے کہ وہ دیکھیں گے کہ لوگ کس طرح عمل کرتے ہیں، اور یہ ان کے کیے ہوئے جرم کا عذاب ہے، اور ان کے سرزد کردہ گناہ کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ اگر کسی معاشرے میں زنا عام ہو جائے تو اللہ ان کو فقر سے مبتلا کر دیتا ہے، اور یہ فقر اس جرم سے توبہ کرنے کے علاوہ کسی طرح کا علاج نہیں رکھتا، ورنہ یہ ان کی روحوں اور دلوں میں رچ بس جاتا ہے، چاہے ان کے ہاتھ سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے ہوں۔

اور آخر میں... انگریزی مصنف (برنارد شا) اپنی کتاب "محمد" میں کہتے ہیں:

"دنیا کو آج محمد کی سوچ کے ایک انسان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، یہ نبی جو اپنے دین کو ہمیشہ احترام اور عزت کی جگہ پر رکھتا ہے۔ یہ سب سے طاقتور دین ہے جو تمام مذاہب کی حقیقت کو ہضم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم رہے گا۔ اور میرے خیال میں اگر آج دنیا کی باگ ڈور اس کے حوالے کر دی جائے تو وہ ہماری مشکلات کو حل کرنے میں کامیاب ہوگا، جو اس امن اور خوشی کی ضمانت دے گا جس کی طرف انسانیت کی نظر ہے۔"

فصل سوم: وصیتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف مسائل کا حل پیش کرنے والے نہیں تھے، بلکہ وہ ایک سماجی مصلح بھی تھے جن کی زندگی کا ایک خاص اصول تھا، ان کا اپنا ایک نظریہ تھا، اور ان کے پاس ایک منظم منصوبہ تھا کہ وہ ایک مثالی اور فاضل معاشرے کی تعمیر کیسے کریں، جس میں ہر انسان رہنے کی تمنا رکھتا ہے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کچھ وصیتیں پیش کرنے کی کوشش کروں گا جو ایک مثالی انسان اور فاضل معاشرے کی تشکیل کے لیے ہیں۔ اور عزیز قارئین کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاشرے کی تشکیل کا آغاز کہاں سے کیا: کیا انہوں نے ہرم کے اوپر سے آغاز کیا؟ یا ہرم کی بنیاد سے؟! اور یہ سوال علم، فکر، اور ثقافت کے لحاظ سے دو بھائیوں کے درمیان کتنا فرق پیدا کرتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاضل اور مثالی معاشرے کی تعمیر پر کیسے نظر ڈالی، انسان کی تعمیر سے شروع کرتے ہوئے، دوسروں کے ساتھ اس کے تعامل، اور ان کے گرد موجود تمام مخلوقات کے ساتھ اس کے تعلقات تک۔

پہلا: خاندانی وصیتیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاندان کی تشکیل پر بہت زور دیا، کیونکہ خاندان معاشرے کی پہلی لہنت ہے۔ اگر انسان خوشحال خاندانی زندگی گزارے گا تو اس کی سماجی زندگی بھی خوشگوار ہوگی۔ اس لیے خاندانی زندگی کی بنیاد رکھنے کی رہنمائی کی گئی، اس سے پہلے کہ اس کی خوشحالی اور استحکام کے بارے میں ہدایت کی جائے۔

آپ نوجوانوں کی اس بات کی طرف حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ وہ خاندان بنائیں، تاکہ وہ خاندانی زندگی کے بوجھ اور خرچ سے نہ گھبرائیں، اور آپ فرماتے ہیں: "اے نوجوانوں کی جماعت! جو شخص تم میں سے شادی کی

استطاعت رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ شادی کرے، کیونکہ یہ نگاہ کو زیادہ پاک رکھتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے، اور جو شادی نہ کر سکے، اسے روزہ رکھنا چاہیے، کیونکہ یہ اس کے لیے ڈھال ہے۔" ¹²⁶

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ وہ شیطان کے جال میں نہ پھنسے، اور شادی اور نکاح کی ذمہ داریوں سے نہ ڈرے، آپ نے فرمایا: "اللہ کی طرف سے تین لوگوں کی مدد فرض ہے... ان میں سے ایک وہ نکاح کرنے والا ہے جو اپنی پاکدامنی کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔" ¹²⁷

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کے انتخاب کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے بچوں کے لیے ایک نیک ماں کا انتخاب کریں۔ آپ نے فرمایا: "عورتوں سے نکاح چار چیزوں کی بنا پر کیا جاتا ہے: ان کے مال کی وجہ سے، ان کے حسب و نسب کی وجہ سے، ان کی خوبصورتی کی بنا پر، اور ان کی دین داری کے سبب، تم دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیاب بن جاؤ، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں" ¹²⁸، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صفات سے دھوکے میں آنے سے بچنے کی نصیحت کی، اور فرمایا: "تمہیں خضراء الدمن سے بچنا چاہیے۔" صحابہ نے پوچھا: "خضراء الدمن کیا ہے، یا رسول اللہ؟" آپ نے فرمایا: "وہ عورت جو خوبصورت ہو لیکن اس کی نسل یا پس منظر خراب ہو۔" ¹²⁹

پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس آنے والے اس نوجوان کی سفارش کی جس نے بہت محنت، تلاش اور مشقت کے بعد ان کے پاس پہنچا تھا۔ آپ نے فرمایا: "جب بھی تمہارے پاس ایسا

126 صحیح البخاری (1905)، صحیح مسلم (1400)۔

127 مسند ابن المبارک (225)، سنن الترمذی (1655)، سنن النسائی (3218)، المستدرک علی الصحیحین، الحاکم (2678) میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی طرف سے تین لوگوں کی مدد حق ہے: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، وہ شادی کرنے والا جو عفت چاہتا ہے، اور وہ غلام جو آزادی کا ارادہ رکھتا ہے۔"

128 صحیح البخاری (4802)، صحیح مسلم (1466) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔

129 مسند الشہاب، القضاعی (957) میں ابو سعید خدری سے روایت۔

شخص آئے جس کے دین اور اخلاق تمہیں پسند ہوں، تو اس کی شادی کر دو۔ ورنہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ و فساد ہوگا۔" ¹³⁰

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس کی رائے پر عمل کریں، فرمایا: "بکر لڑکی کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لی جائے۔" ¹³¹، اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا کہ اس نوجوان کے ساتھ احسان کریں اور ان کی خواہشات میں نرمی برتیں، فرمایا: "عورتوں میں سب سے زیادہ برکت والی وہ ہیں جن کا خرچ کم ہو۔" ¹³²، اور جب یہ مبارک شادی ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوہر کو اپنی بیوی کے بارے میں احسان کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہو، اور میں اپنے اہل کے لیے سب سے بہتر ہوں۔" ¹³³، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "عورتوں کے بارے میں احسان کی وصیت کرتے رہو۔" ¹³⁴، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "عورتوں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ، کیونکہ وہ شیشے کی مانند ہیں۔" ¹³⁵، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اگر میں کسی کو کسی کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو اپنے شوہر کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا۔" ¹³⁶، اس حدیث میں سجدہ کا مطلب ہے کہ: سجدہ تکریم ہے، نہ کہ عبادت کا سجدہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آکر کافر بن گیا﴾ (البقرة: 34)

130 سنن الترمذی (1085)، المعجم الکبیر، الطبرانی (762)۔

131 صحیح البخاری (6567) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔

132 مسند امام احمد (25119)، سنن الکبریٰ، نسائی (9229) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت۔

133 الأربعین، باب مناقب أمّات المؤمنین، ابن عساکر 109 میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت۔

134 صحیح مسلم (1468) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔

135 صحیح مسلم (1468) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔

136 سنن الدارمی (1505)، سنن ابی داؤد (2140)، سنن الترمذی (1159) میں ابو ہریرہ سے روایت۔

اور سجدہ یہ نہیں کہ کسی کو مطلق طور پر فضیلت دی گئی ہو۔

اور ان دونوں کو ایک ساتھ حسن معاشرت اور راز کی حفاظت کی وصیت کی، فرمایا: "قیامت کے دن، اللہ کے ہاں لوگوں میں مرتبے کے اعتبار سے بدترین وہ آدمی ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس خلوت میں جاتا ہے اور وہ اس کے پاس خلوت میں آتی ہے پھر وہ (آدمی) اس کا راز افشا کر دیتا ہے" - ¹³⁷

اور اس کے بعد، انہوں نے نسل بڑھانے کی جانب توجہ دلائی، اور یہ مقصد خود اس کے لیے نہیں تھا، بلکہ یہ اللہ پر یقین اور معاش کی تنگی سے خوف نہ رکھنے کی علامت ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک لازمی رد عمل تھا، کیونکہ وہ ایسے معاشرے میں تھے جہاں لڑکیوں کو شرم کے خوف سے قتل کیا جاتا تھا اور لڑکوں کو غربت کے خوف سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ لڑکیاں عار نہیں لاتی ہیں، بلکہ وہ قیمتی ہمراہی ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی بتایا کہ بچے غربت نہیں لاتے، بلکہ اللہ ہی رزق دینے والا ہے، جو بڑی قوت والا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نکاح کرو اور اولاد بڑھاؤ، کیونکہ میں قیامت کے دن میں فخر کرنے والا ہوں تم سے امتوں پر۔" ¹³⁸

اور جب اللہ انہیں اولاد سے نوازے، تو انہیں چاہیے کہ اپنے بچوں کی عزت کریں، ان کے ساتھ حسن سلوک کریں، اور ان میں اچھے اقدار کی تعلیم دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کی تلقین کرو، اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کے لیے مارو، اور ان کے بستر جدا کر دو۔" ¹³⁹، اور انہیں چاہیے کہ اپنے بچوں کے ساتھ محبت اور شفقت میں برابری کریں، اور انہیں جنس (لڑکے

137 مستخرج ابی عوانہ (4299)، السنن الکبریٰ، اللیہقی (14213) میں ابو سعید خدری سے روایت۔

138 مصنف عبد الرزاق 173/6 سعید بن ابی بلال سے روایت (مرسل)۔ مسند الفردوس (2663) تفسیر ابن کثیر 51/6۔

139 مصنف ابن ابی شیبہ (3519)، مسند الامام احمد (6689)، سنن ابی داود (495)۔

اور لڑکی) کی بنیاد پر نہ تقسیم کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بچوں میں تحفے دینے میں برابری کرو، کیونکہ اگر میں کسی کو ترجیح دینے والا ہوتا تو میں عورتوں کو ترجیح دیتا۔" ¹⁴⁰

سماجی پہلو سے، انسان کو نصیحت کی گئی کہ وہ معاملات میں دل صاف رکھے، اور لوگوں کے ساتھ حسن ظن سے پیش آئے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'دل کی صفائی کسی عمل سے حاصل نہیں ہوتی۔' ¹⁴¹ اور لوگوں کے ساتھ نرمی اور لطافت سے پیش آنے کی نصیحت کی، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'نرمی کسی چیز میں داخل نہیں ہوتی مگر اسے خوبصورت بنا دیتی ہے، اور کسی چیز سے نکالی نہیں جاتی مگر اسے برباد کر دیتی ہے۔' ¹⁴² اور فرمایا: 'اے اللہ! جس شخص کو میری امت کے امور کا کوئی حصہ دیا جائے، اور وہ ان پر سختی کرے، تو اس پر سختی کر۔ اور جس شخص کو میری امت کے امور کا کوئی حصہ دیا جائے، اور وہ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، تو اس کے ساتھ نرمی کر۔' ¹⁴³

اور لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں تجسس نہ کریں، نہ ایک دوسرے سے کنارہ کش ہوں، نہ ایک دوسرے پر قیمتیں بڑھائیں، نہ کسی کے بیع پر بیع کریں، اور نہ کسی کی خطبہ پر خطبہ دیں۔"

"اور انسان کو چاہیے کہ وہ خود کو شک کے مقام پر نہ ڈالے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'شیطان ابن آدم کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔' ¹⁴⁴ اور اسے چاہیے کہ وہ ایسے مقام پر نہ بیٹھے جہاں لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'تمہیں چاہیے کہ راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔' ¹⁴⁵ اور انہیں چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ دھوکہ نہ کریں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'جو ہمیں

140 بغیۃ الباحث، الحارث (454)، السنن الکبریٰ، البیہقی (12126) میں ابن عباس سے روایت۔

141 المدخل إلى الفقه المالکی، ابن الحاج 1/61، 201/1.

142 الأدب المفرد، البخاری (365/469)، صحیح مسلم (2594) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت۔

143 صحیح مسلم (1828)

144 صحیح البخاری (3281)، صحیح مسلم (2174) انس رضی اللہ عنہ سے روایت۔

145 صحیح البخاری (2333)، صحیح مسلم (2121) ابو سعید خدری سے مروی ہے۔

دھوکہ دیتا ہے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔¹⁴⁶ اور انسان کو دوسرے لوگوں کی تحقیر نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'شاید کوئی ایسا شخص ہو جو بے حد بکھرا ہوا اور غبار آلود ہو، جسے دروازوں پر دھکیلا جائے، لیکن اگر وہ اللہ کی قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم کو پورا کرے گا۔'¹⁴⁷ اور انسان کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے لیے جو بھی نیک عمل کرے، چاہے وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، اس کی تحقیر نہ کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'کبھی بھی نیک عمل کو چھوٹا مت سمجھو، چاہے تم اپنے بھائی سے مسکراتے چہرے سے ملیں۔'¹⁴⁸ یعنی: خوش مزاج اور مسکراتا ہوا، اور دوسروں کی پردہ پوشی کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ عز و جل اس کی دنیا اور آخرت میں پردہ پوشی فرمائے گا۔'¹⁴⁹ اور لوگوں کی ضروریات پوری کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے چلتا ہے، اللہ اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے چلتا ہے۔'¹⁵⁰

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں سے درگزر کرنے اور نظر انداز کرنے کی بھی وصیت کی، فرمایا: 'طاقتور وہ نہیں ہے جو دوسروں کو شکست دے، بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھتا ہے۔'¹⁵¹ اور پڑوسیوں کی بھی وصیت کی، فرمایا: 'اے ابا ذر! جب تم شور بہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالنا اور اپنے پڑوسیوں

146 صحیح مسلم (101) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

147 صحیح مسلم (2622) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

148 صحیح مسلم (2626) ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

149 مسند امام احمد (16959ء) مسلمہ بن مخلد کی روایت پر۔

150 مکالم الأخلاق، الخرائطی (91)، الأوسط، الطبرانی (4396) ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: 'جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے کے لیے چلے، اللہ اسے 75,000 فرشتوں کی چھاؤں میں رکھے گا جو اس کے لیے دعا کرتے ہیں...'۔

151 صحیح البخاری (5763)، صحیح مسلم (2609)

کی خبر رکھنا۔¹⁵² اور مہمان کی بھی وصیت کی، وہ اپنے ہاتھ سے اپنے مہمان کو کھانا کھلاتے تھے، اور فرماتے: 'جس نے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا، اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے۔'¹⁵³

اور بیمار کی عیادت کرنے کی وصیت کی، تاکہ وہ لوگوں کی حمایت سے اپنی بیماری پر طاقتور ہو سکے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیمار کی عیادت کرنے کا حکم دیا۔"¹⁵⁴

اور ان وصیتوں کے علاوہ بھی بہت سی وصیتیں ہیں جو ہر فضیلت میں مثال بن گئی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعلیٰ اخلاق اور صفات کے ذریعے ایک مثالی اور فاضل معاشرے کی بنیاد رکھی، اور ہر اُس شخص کے لیے راستہ واضح کیا جو ایسے معاشرے میں جینا چاہتا ہے۔ بلکہ انہوں نے راستے کی جانب جانے کا راستہ بھی دکھایا اور اُس تک پہنچنے کے طریقے کی وضاحت کی، اور یہ سب کچھ انہوں نے اپنی انسانیت کی زبان سے بیان کیا نہ کہ اپنی نبوت کی زبان سے، تاکہ انسانیت اُن کی تقلید کر سکے اور اُن کے احکام پر عمل پیرا ہو سکے۔ اور اگرچہ یہ وصیتیں انسانوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں مثالی ہیں، مگر یہ کائنات کے ساتھ سلوک کی وصیتوں سے کم مثالی نہیں ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی، یہاں تک کہ حقوق کی تنظیموں کے قیام سے پہلے بھی۔ جب آپ کے صحابہ نے مویشیوں کی پرورش کے بارے میں سوال کیا کہ کیا ان کو پانی پلانے اور کھانا دینے کا کوئی اجر ہے؟ تو آپ نے فرمایا: 'ہر ایک تر پانی والے جگر کے لیے اجر ہے۔'¹⁵⁵

152 صحیح مسلم (2626) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

153 صحیح البخاری (5672)، صحیح مسلم (47) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

154 صحیح البخاری (5175) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات کاموں کا حکم دیا اور سات کاموں سے منع فرمایا۔ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کی عیادت، جنازہ کے پیچھے چلنے، چھینکنے والے کے جواب دینے (یرحمک اللہ یعنی اللہ تم پر رحم کرے، کننا) قسم کو پورا کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، سب کو سلام کرنے اور دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا تھا اور ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے، چاندی کے برتن استعمال کرنے، ریشمی گدے، قسیہ (ریشمی کپڑا) استبرق (موٹے ریشم کا کپڑا) اور دیباج (ایک ریشمی کپڑا) کے استعمال سے منع فرمایا تھا۔

155 صحیح البخاری (2234)، صحیح مسلم (2244) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔

یعنی: آپ کو صرف مویشیوں کی دیکھ بھال پر اجر نہیں ملتا، بلکہ آپ کو تمام جانوروں کی دیکھ بھال اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر بھی اجر ملتا ہے، جب تک کہ وہ جانور نقصان دہ نہ ہو، اور اس کی دیکھ بھال دوسروں کے لیے نقصان کا باعث نہ بنے۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ آپ جانوروں کے ساتھ سختی سے منع کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں: 'ایک عورت آگ میں داخل ہوئی کیونکہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا، نہ تو اسے کھانا دیا اور نہ ہی اسے زمین کے کیڑوں سے کھانے دیا۔'¹⁵⁶، یعنی: اس عورت نے بلی کو قید کر لیا، نہ اسے کھانا دیا، نہ پانی دیا، اور نہ ہی اسے باہر نکلنے اور اپنی روزی تلاش کرنے دیا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے حقوق کی حمایت کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: 'ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، تو آپ ضرورت کے لیے گئے، اور ہم نے ایک کبوتر دیکھا جس کے دو بچے تھے۔ ہم نے ان کے بچے پکڑ لیے، تو کبوتر ماں کی طرح بیٹھی، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور فرمایا: 'کس نے اس کی اولاد کو خوفزدہ کیا؟ اسے اس کے بچوں کے پاس لوٹا دو۔' اور آپ نے ایک چیونٹیوں کے گاؤں کو دیکھا جو ہم نے جلا دیا تھا، تو آپ نے فرمایا: 'کس نے یہ جلایا؟' ہم نے کہا: 'ہم نے۔' آپ نے فرمایا: 'آگ سے عذاب دینا صرف آگ کا رب ہی جانتا ہے۔'¹⁵⁷

اور آپ نے ایک اونٹ دیکھا جو بوجھ کے باعث تھکا ہوا تھا اور کم کھانے کی وجہ سے پریشان تھا، تو آپ نے اپنے ساتھی سے فرمایا: 'یہ اونٹ مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس پر زیادہ بوجھ ڈالتے ہو۔'¹⁵⁸

بلکہ حتیٰ ان جانوروں کے بارے میں بھی جن کے ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دی گئی ہے، آپ نے جانور کے عذاب سے بچنے کے لیے ذبح کے عمل میں جلدی کرنے کی وصیت کی، فرمایا: 'جب تم ذبح کرو تو بہترین

156 صحیح البخاری (3318)، صحیح مسلم (2619) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت۔

157 سنن ابی داؤد (2675)

158 سنن ابی داؤد (2549)، مسند ابی یعلیٰ (6787) عبداللہ بن جعفر سے روایت۔

طریقے سے کرو، اور جب تم کسی کو مارو تو اچھا مارو، اور تم میں سے ہر ایک کو اپنی چھری تیز کرنی چاہیے، اور اپنی ذبیحہ کو آرام دینا چاہیے۔¹⁵⁹، اور یہاں 'قتلہ' سے مراد ہے: وہ شکار جانور جو لوگوں کے راستے میں حائل ہو جائے، اور جس سے نجات پانے کا کوئی طریقہ نہ ہو سوائے اسے مارنے کے۔ تو اس کا قتل بھی اچھے طریقے سے ہونا چاہیے، نہ کہ اسے موت تک قید میں رکھ کر عذاب دینا...

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماحول کی حفاظت اور اس کا خیال رکھنے کی وصیت کی، اور جنگوں میں درختوں کو کاٹنے سے منع کیا، اور اپنے صحابہ کو ہدایت کی کہ وہ جنگ کے دوران نہ تو کسی درخت کو کاٹیں، نہ ہی کسی بچے، عورت، بوڑھے شخص، یا کسی راہب کو ماریں۔

اور آپ نے سخت ترین حالات میں بھی درخت لگانے کی ترغیب دی، فرمایا: 'اگر قیامت آجائے، اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی پودا ہو تو اسے لگائیں۔' اور یہاں 'پودا' سے مراد چھوٹی درخت ہے، اور اس حکم میں ان اناج کی فصلیں بھی شامل ہیں جو درخت بناتی ہیں۔"

"اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی، ہوا، اور راستوں کو پیشاب، پاخانہ، اور دوسرے نقصان دہ چیزوں سے آلودہ کرنے سے منع کیا، فرمایا: 'العنت کرنے والوں سے بچو!' صحابہ نے پوچھا: 'العنت کرنے والے کون ہیں، یا رسول اللہ؟' تو فرمایا: 'وہ جو لوگوں کے راستے میں یا ان کی چھاؤں میں اپنی حاجت پوری کرتے ہیں۔'

سیدنا جابر - رضی اللہ عنہ - نے کہا کہ رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ساکن پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا، اور زمین کو زراعت اور رہائش کے ذریعے زندہ کرنے کی وصیت کی، فرمایا: 'جو شخص بے آباد زمین کو آباد کرے، وہ اس کا مالک ہے۔'

آپ نے اس بات کی بھی وصیت کی کہ کسی بھی شخص کی جانب سے ایسی بدلو دار چیزوں سے لوگوں کو تکلیف نہ دی جائے، چاہے وہ کسی ایک شخص سے ہو، تو پھر ایک گھر، گلی، یا شہر سے نکلنے والی بدلو کا کیا حال ہوگا، فرمایا: 'جو شخص لہسن یا پیاز کھائے، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔'

آپ نے اس بات کی بھی وصیت کی کہ قدرتی وسائل میں اسراف نہ کیا جائے، چاہے وہ کتنے ہی زیادہ اور وافر ہوں، تاکہ انسان اس کے عادی ہو جائے اور اپنی زندگی میں اعتدال رکھے، نہ کہ لالچی بنے، اور پانی میں اسراف کرنے سے منع کیا، چاہے وہ کسی بہتے دریا کے کنارے ہی کیوں نہ ہو۔

آپ نے صنعت کاروں کے حوالے سے بھی فرمایا: 'صنعت فقر سے بچنے کا ذریعہ ہے۔'¹⁶⁰، اور یہ بھی کائنات کی تعمیر ہے، اور آپ نے انہیں یہ بھی وصیت کی کہ وہ اس کام کو مہارت سے انجام دیں، فرمایا: 'بیشک اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ جب تم میں سے کوئی کام کرے تو اسے اچھی طرح کرے۔'¹⁶¹، اور آپ نے انہیں اس میں مہارت، تخلیق اور تکمیل کے بعد اسے خوبصورت بنانے کی بھی وصیت کی، فرمایا: 'بیشک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔'¹⁶²

اور اس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثالی اور فاضل شہر، اور ایک عظیم سلطنت بنائی جو چند سالوں میں انصاف اور رحمت کے ساتھ دنیا پر حکمرانی کرتی رہی۔ عالمی مصنف (لیف ٹولسٹائی 1828-1910م) کہتے ہیں: 'محمد کے لیے فخر کافی ہے کہ اس نے ایک ذلیل و خوار قوم کو ذمیت عادات

160 صحیح البخاری (1410) مسند الامام احمد (7490) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی اپنی رسی لے کر پہاڑ پر جائے، لکڑیاں جمع کرے، پھر انہیں اپنے کندھے پر اٹھا کر لے آئے اور بیچ کر کھائے، یہ اس کے لیے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے۔'

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (1966) میں مقدم رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی انسان نے اس شخص سے بہتر روزی نہیں کھائی، جو خود اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہے اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی کھایا کرتے تھے۔

161 مسند ابی یعلیٰ (4386) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

162 الزہد، احمد (285)، صحیح مسلم (91) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

کے شیطانی پنہوں سے آزاد کیا، اور ان کے چہروں پر ترقی اور پیشرفت کا راستہ کھولا، اور بے شک محمد کی شریعت دنیا پر غالب آئے گی؛ کیونکہ یہ عقل اور حکمت کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔"

اور سانت ہیلر نے کہا: 'محمد ایک ریاست کے صدر تھے، جو عوام کی زندگی اور آزادی کے بارے میں فکر مند تھے، اور وہ ان افراد کو سزا دیتے تھے جو اپنے زمانے اور ان وحشی جماعتوں کی حالت کے مطابق جرائم کا ارتکاب کرتے تھے جن کے درمیان نبی رہتے تھے۔ نبی ایک خدا کی عبادت کی دعوت دینے والے تھے، اور اپنی اس دعوت میں وہ لطیف اور رحم دل تھے، حتیٰ کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی، اور ان کی شخصیت میں دو ایسی خصوصیات ہیں جو انسانی نفس میں سب سے اعلیٰ خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں، اور وہ ہیں: انصاف اور رحم۔"

وصلِّ اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم .

اختتام

یہ وہ پہلا متن تھا جو میں نے جناب شریف، اور عظیم مقام، ہمارے نبی کریم، عظیم اور باوقار سیدنا محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھا۔ یہ کتاب میری طرف سے ان کی عظمت اور خوبصورت صفات و اعمال کے بارے میں خیالات کا مجموعہ ہے، جسے میں نے لکھا اور شائع کیا تاکہ اللہ مجھے اور میرے والدین و احباب کو اس کے ذریعے معاف فرمائے، اور امید ہے کہ اللہ مجھے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جگہ عطا فرمائے۔"

یہ میرے گناہ ہیں جو دنیا میں بہت زیادہ ہیں

اور میرے پاس حشر میں بچانے والا کوئی عمل نہیں ہے

اور میں نے تمہارے پاس توحید کے ساتھ آنا ہے

جس کے ساتھ نبی کی محبت ہے، اور یہی قدر میرے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں نے یہ کتاب اپنی فوجی خدمت کے دوران، بہادر مصری مسلح افواج میں، خاص طور پر عزیز و محبوب سیناء میں لکھی، اللہ اسے ہر برائی سے محفوظ رکھے۔ تو اللہ نے مجھے - اور الحمد للہ - تلوار اور قلم دونوں کی جہاد میں جمع کیا۔ پس اگر آپ کو کچھ اچھا ملتا ہے تو یہ اللہ کی طرف سے ہے، جو اکیلا فیض دینے والا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور اگر آپ کو کوئی غلطی یا کوتاہی ملے تو یہ فقیر بندے کی طرف سے ہے، اور اس کی وجہ وقت کی کمی اور مراجع کی عدم موجودگی ہے۔

اور میں نے اس کی طباعت کی طرف جلدی کی صرف موت کے خوف اور اجل کے قریب آنے کے باعث، لہذا میں نے چاہا کہ اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک شفیع پیش کروں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ

مجھے دوبارہ زندگی عطا فرمائے تو میں اس میں بہت کچھ اضافہ کروں گا، اور ان شاء اللہ نبیوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت کچھ لکھوں گا۔"

اور آخر میں:

اے وہ شخص جو میری لکھی ہوئی باتوں کو دیکھتا ہے

اور اس کے گرد نظر دوڑاتا ہے،

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اگر آپ کو کوئی غلطی نظر آئے تو مجھ پر پردہ ڈال دیں،

کیونکہ بہترین لوگ وہ ہیں جو پردہ ڈالتے ہیں۔"

وصلی اللہ وسلم و شرف و کرم و بارک علی خیر الخلق، و حبیب الحق سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین .

یہ لکھا ہے:

محمود ربیع حسن محمود

حدیث اور اس کی علوم - اصول دین، قاہرہ

بدھ کے روز، مطابق 29/10/1440 ہ - 2018/7/3 م

